ہندوستان کی لوک کہانیوں کا خزانہ

حصّہ دوم

مصنّف شنکر

ہندوستان کی لوک کہانیوں کا خزانہ

حصّہ دوم

مصنف : شنکر

مصوّر : انیل ویاس

مترجم : خسرو متین

چلڈرن بک ٹرسٹ   قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان   بچوں کا ادبی ٹرسٹ

پیش لفظ

ہمارا ملک ہندوستان ایک ایسی دادی ماں کی طرح ہے، جو بہت بزرگ اور سمجھ دار ہے۔ اُسے سیکڑوں کہانیاں آتی ہیں۔ ہماری دادی ماں کہتی ہے کہ موٹی موٹی اور بڑی بڑی کتابیں سب کے کام نہیں آتیں، مگر ان کتابوں میں جو عقل مندی کی باتیں کہی گئی ہیں وہ کہانیوں کے ذریعہ بآسانی سمجھ میں آجاتی ہیں۔

ایسی کہانیوں کو لوک کتھا یا عوامی کہانی کہتے ہیں۔ یہ کہانیاں اتنی پُرانی ہیں کہ کوئی بھی وثوق سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ انھیں سب سے پہلے کس نے کہا ہوگا۔ عوامی کہانیاں ایک کان سے دوسرے کان میں، ایک ملک سے دوسرے ملک میں سفر کرتی ہیں۔ ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچنے میں ان کے خدوخال بدل جاتے ہیں۔ ایک ہی کہانی مختلف مقامات پر مختلف انداز سے کہی اور سنی جاتی ہے۔ اس طرح ان عوامی کہانیوں میں تازگی بنی رہتی ہے۔

ہندوستان میں دُنیا کے دیگر ممالک کی بہ نسبت زیادہ عوامی کہانیاں ہیں۔ ان میں سے بہت سی کہانیوں کو ایک کتابی شکل میں یکجا کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا نام ہے ''کتھاسُرت ساگر'' یعنی کہانیوں کی ندیوں سے بنا سمندر۔

اچھی کہانیاں قیمتی اشیاء کی مانند ہوتی ہیں۔ قیمتی اشیاء کو ہمیشہ محفوظ مقام پر رکھا جاتا ہے۔ ایسا محفوظ مقام خزانہ کہلاتا ہے۔ اس لیے اچھی کہانیوں کا مجموعہ بھی ایک قیمتی خزانہ ہے۔ زیرِ نظر کتاب ''ہندوستان کی لوک کہانیوں کا خزانہ'' کا حصہ دوم ہے۔

فہرست

اجگر

بہت سال پہلے کی بات ہے ایک راجہ کی دو رانیاں تھیں۔ بڑی رانی شوبھا بہت اچھے مزاج کی اور رحم دل تھی۔ چھوٹی رانی روپا بڑی سخت اور تند مزاج تھی۔

بڑی رانی شوبھا کے ایک بیٹی تھی۔ نام تھا دیوی۔ رانی روپا کے بھی ایک بیٹی تھی۔ نام تھا تارا۔

رانی روپا بڑی چالاک اور لالچی عورت تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ حکومت کی باگ دوڑ اسی کے ہاتھ میں رہے۔ راجہ بھی اس سے دبا ہوا تھا۔ رانی روپا، بڑی رانی اور اس کی بیٹی سے نفرت کرتی تھی۔ ایک دن اس نے راجہ سے کہا کہ رانی شوبھا اور دیوی کو راج محل سے باہر نکال دیا جائے۔

راجہ، رانی روپا کی ناراضگی سے ڈرتا تھا۔ اُسے لگا کہ اُسے وہی کرنا پڑے گا جو رانی روپا چاہتی ہے۔ اس نے بڑی رانی شوبھا اور اس کی بیٹی کو راج محل کے باہر ایک چھوٹے سے گھر میں رہنے کو بھیج دیا۔ لیکن رانی روپا کی نفرت پھر بھی کم نہیں ہوئی۔

اس نے دیوی کو حکم دیا کہ وہ روزانہ راجہ کی گایوں کو جنگل میں چرانے کے لیے لے جایا کرے۔

رانی شوبھا یہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اگر دیوی گایوں کو چرانے کے لیے نہیں گئی تو رانی روپا

انھیں اور کسی طرح سے پریشان کرے گی۔ اس لیے اس نے اپنی بیٹی سے کہا کہ وہ روز صبح گایوں کو جنگل میں چرانے کے لیے لے جائے اور شام کے وقت انھیں واپس لے آیا کرے۔

دیوی کو اپنا ماں کا کہنا تو ماننا ہی تھا، اس لیے وہ روز صبح گایوں کو جنگل میں لے جاتی۔ ایک شام جب وہ جنگل سے گھر لوٹ رہی تھی تو اُسے اپنے پیچھے ایک دھیمی سی آواز سنائی دی۔

"دیوی! دیوی! کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟"

دیوی ڈر گئی۔ جتنی جلدی ہو سکا اس نے گایوں کو گھر کی طرف ہانکا۔

دوسرے دن بھی وہ جب گھر لوٹ رہی تھی اس نے وہ آواز دوبارہ سنی۔ وہی سوال اس سے پھر پوچھا گیا۔

رات کو دیوی نے اپنی ماں سے اس آواز کے بارے میں بتایا۔ ماں ساری رات اس بات پر غور کرتی رہی۔ صبح اس نے فیصلہ کر لیا کہ کیا کیا جانا چاہیے۔

"ستو بیٹی!" وہ اپنی لڑکی سے بولی۔

"میں بتا رہی ہوں اگر آج شام کے وقت بھی تمھیں وہی آواز سنائی دے تو تمھیں کیا کرنا ہوگا۔"

"بتایئے ماں!" دیوی نے جواب دیا۔

"تم اس آواز کو جواب دینا۔" شوبھا رانی نے کہا۔

"کل صبح تم میرے گھر آجاؤ۔ پھر میں تم سے شادی کرلوں گی۔"

"لیکن ماں!" دیوی بولی "ہم اُسے جانتے تک نہیں۔"

"میری پیاری دیوی" ماں نے دُکھی ہو کر کہا۔ "جن حالات میں ہم جی رہے ہیں اس سے
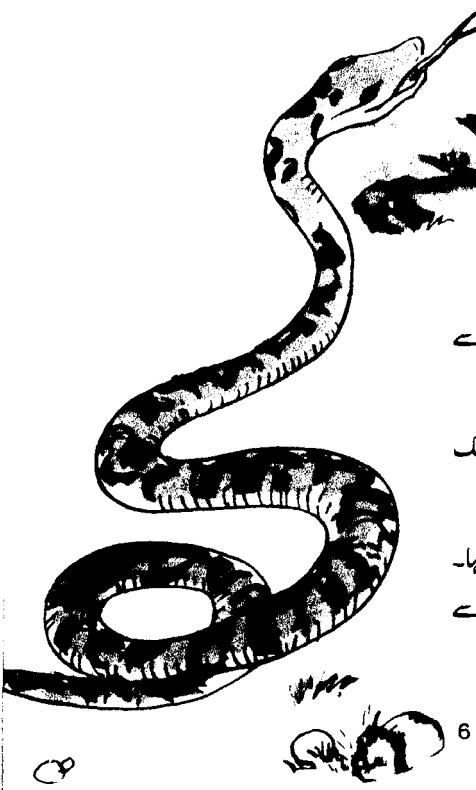
زیادہ اور بُرا کیا ہو سکتا ہے؟ ہمیں اس پیغام کو قبول کر لینا چاہیے۔ ایشور ہماری مدد کرے گا۔"

اس شام جب دیوی گایوں کو لے کر گھر لوٹ رہی تھی اُسے وہی آواز پھر سنائی دی۔

آواز نرم اور دُکھ بھری تھی۔

"دیوی! دیوی! کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟ کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟"

دیوی رُک گئی۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا' لیکن اُسے کوئی دکھائی نہیں دیا۔ وہ ہچکچائی۔ وہ وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی، لیکن پھر اُسے ماں کے الفاظ یاد آ گئے۔ وہ جلدی سے بولی۔

"ہاں! اگر تم کل صبح میرے گھر آ جاؤ تو میں تم سے شادی کر لوں گی۔" اور پھر وہ تیزی سے گایوں کو ہانکتی ہوئی گھر آ گئی۔

اگلے دن صبح شوبھا رانی ذرا جلدی ہی اُٹھ گئی۔ اس نے جا کر باہر کا دروازہ کھولا اور جھانک کر دیکھا' کہیں کوئی باہر کھڑا انتظار تو نہیں کر رہا ہے۔ وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ اچانک اُسے ایک دھکا سا لگا۔ وہ حیران رہ گئی۔ ایک بڑا اجگر (اژدھا) کنڈلی مارے سیڑھیوں پر بیٹھا تھا۔

رانی شوبھا مدد کے لیے چلّائی۔ دیوی اور نوکر بھاگے بھاگے آئے کہ کیا بات ہے؟ تبھی ایک حیرت انگیز بات ہوئی۔ اجگر بولا:

"نمسکار۔" اس کا لہجہ بڑا عاجزانہ تھا۔

"مجھے گھر آنے کی دعوت دی گئی تھی اس لیے میں حاضر ہوا ہوں۔ آپ کی بیٹی نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر میں صبح گھر پر آسکوں تو وہ مجھ سے شادی کر لے گی۔ میں اس لیے آیا ہوں۔"

رانی شوبھا کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کرے تو کیا کرے۔؟ اُسے تو یہ اُمید تھی کہ کوئی خوب صورت نوجوان اس کی لڑکی سے شادی کرنے آئے گا۔ اس نے یہ کبھی سوچا بھی

نہیں تھا کہ وہ ایک اجگر ہوگا۔

ایک نوکر بھاگ کر رانی روپا کے پاس گیا اور اسے سارا واقعہ سنایا۔ رانی یہ سن کر بہت خوش ہوئی۔ وہ اسی وقت اپنے نوکروں کے ساتھ شوبھا کے گھر گئی۔

"اگر راجکماری دیوی نے کسی کے ساتھ شادی کا وعدہ کیا ہے تو اُسے اپنا وعدہ ضرور نبھانا چاہیے۔ رانی ہونے کی وجہ سے یہ فرض ہے کہ میں دیوی کے وعدہ کو پورا کراؤں۔"

اسی دن دونوں کی شادی ہوگئی۔ رانی شوبھا اور دیوی کے لیے یہ کوئی خوشی کا موقع نہیں تھا، لیکن اتنے دکھ تکلیف سہنے کے بعد بھی وہ کسی بھی پریشانی کا سامنا کرنے کو تیار تھیں۔

شادی کے بعد اجگر اپنی بیوی کے ساتھ اس کے کمرے میں گیا۔

ساری رات شوبھا رانی نے دعا مانگتے گزاری کہ اس کی بچّی ٹھیک ٹھاک رہے۔ دوسرے دن اس نے بڑے سویرے دیوی کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ ایک خوبصورت نوجوان نے دروازہ کھولا۔ دیوی اس کے پیچھے کھڑی تھی۔

"میں آپ کو بتا نہیں سکتا کہ میری جان بچانے کے لیے میں آپ کا اور دیوی کا کس قدر احسان مند ہوں" وہ نوجوان بولا:

"میں ایک بددُعا کی وجہ سے اجگر بن گیا تھا۔ ایک دن دیوتا نے مجھ سے ناراض ہوکر مجھے اجگر بنا دیا تھا۔ بعد میں انھیں اپنے اِس کیے پر دُکھ ہوا۔ تب انھوں نے کہا کہ اگر کوئی راجکماری مجھ سے شادی کرے تو میں پھر سے انسان بن جاؤں گا اور اب دیوی نے مجھ سے شادی کرلی ہے۔ میری بددُعا اتر گئی ہے۔ اب میں پھر کبھی اجگر نہیں بنوں گا۔"

رانی شوبھا بہت خوش ہوئی۔ وہ اپنی بیٹی اور داماد کو راجہ سے ملانے لے گئی۔ یہ بڑا عجیب و

غریب واقعہ تھا۔ چاروں طرف سے لوگ اس انوکھے نوجوان کو دیکھنے آنے لگے۔ سبھی مشتاق تھے۔ سوائے رانی روپا کے۔

رانی روپا بہت غصّے میں تھی۔ اس نے جھلا کر اور جھینپ کر اپنے آپ کو کمرے میں بند کر لیا۔ دیوی کی قسمت اس سے دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ اس کی بیٹی تارا بھی ایسی ہی خوش نصیب بنے۔ آخر کار اسے ایک ترکیب سوجھی۔

اُس نے اپنی لڑکی کو بلایا۔

"دیوی کی شادی تو اب ہو گئی ہے" وہ بولی۔

"اس لیے گایوں کو چرانے تم جنگل لے جایا کرو۔"

"نہیں" تارا چیخ کر بولی "اتنے نوکر ہیں تو میں کیوں گائیں چرانے جاؤں۔"

"یہ میرا حکم ہے۔" رانی غصہ ہو کر بولی۔ "ایک بات اور بھی سن لو۔ اگر جنگل میں کوئی تم سے شادی کی بات کرے تو کہہ

دینا کہ میں شادی کے لیے تیار ہوں۔ مگر وہ اگلے دن صبح ہمارے گھر آجائے۔"

تارا ماں کے اس منصوبے سے خوفزدہ ہو گئی۔ وہ گایوں کو جنگل نہیں لے جانا چاہتی تھی۔ وہ خوب روئی، لیکن رانی پھر بھی نہیں پگھلی۔ تارا کو اس کا حکم ماننا ہی پڑا۔

تارا روز صبح گایوں کو جنگل میں چرانے کے لیے لے جاتی اور پھر شام کے وقت واپس لے آتی۔

لیکن اس نے ایک بار بھی کسی کی آواز نہیں سنی۔ جو یہ کہہ رہی ہو "کیا تم مجھ سے شادی کرو گی"؟۔

پھر بھی رانی مایوس نہیں ہوئی۔ جنگل میں کوئی اجگر تو تھا نہیں، جو شادی کا پیغام دیتا۔ اس لیے اس نے خود اجگر ڈھونڈنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے اپنے نوکروں کو ایک اجگر لانے کا حکم دیا۔ بہت تلاش اور کافی دن بعد انھیں ایک بہت بڑا سا اجگر ملا۔ اسے پکڑ کر وہ راج محل میں لے آئے۔

آخر کار رانی کا مقصد پورا ہو گیا اور اس نے تارا کی شادی
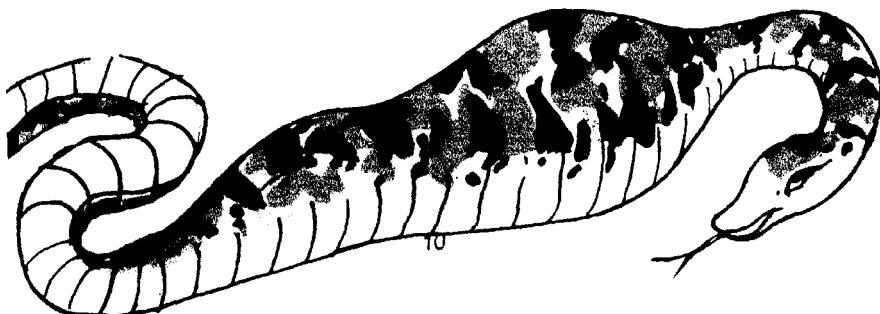
اس اجگر سے کر دی۔ اب رانی کو اطمینان ہوا۔

شادی کی رات تارا اور اجگر کو ایک کمرے میں بند کر دیا گیا۔ رانی بے چینی سے صبح کا انتظار کر رہی تھی۔ رانی روپا نے سویرے ہی سویرے لڑکی کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ اس نے ذرا اور زور سے دروازہ کھٹکھٹایا لیکن دروازہ تب بھی نہ کھلا۔ رانی نے اور انتظار نہیں کیا اور دھکا دے کر دروازہ کھول دیا۔ موٹا اجگر زمین پر پڑا ہوا تھا مگر تارا کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ رانی چیخ پڑی۔ محل میں سبھی نے اس کا چیخنا سنا۔ راجا اور نوکر بھاگے آئے کہ کیا بات ہے؟

''راجکماری کہاں ہے؟'' سبھی چلائے

''وہ تو اجگر کے پیٹ میں ہو گی۔'' باورچی بولا

''دیکھو یہ کتنا موٹا ہو گیا ہے۔''

رانی اب بڑے زور زور سے رونے لگی۔

باورچی اپنا سب سے بڑا چاقو لے آیا۔ وہ بولا۔

''اگر وہ اب تک زندہ ہوئی تو میں جان بچانے کی کوشش کروں گا'' اس نے اجگر کا پیٹ چیر ڈالا۔ تارا زندہ سلامت تھی۔ باورچی نے اسے باہر کھینچا۔ وہ چیخ مار کر اپنی ماں کی طرف بھاگی۔

اجگر مر گیا۔ ساتھ ہی رانی روپا کی یہ تمنا بھی مر گئی کہ اس کی بیٹی تارا کی شادی، دیوی کی طرح ہی کسی خوبصورت اور باصلاحیت نوجوان سے ہو۔

ارون، ورون

اور کرن مالا

کسی زمانہ کی بات ہے۔ ایک بہادر نوجوان راجہ بہت بڑے علاقے پر حکومت کرتا تھا۔ وہ اپنی رعایا سے بہت پیار کرتا تھا اور بڑی ہوشیاری سے ان کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ کئی بار وہ اپنی رعایا کے حال چال معلوم کرنے کے لیے مختلف بہروپ بنا کر گھومتا بھی تھا۔

ایک دن جب وہ ایک گھر کے پاس سے گزر رہا تھا تو اس نے کچھ لڑکیوں کو آپس میں بات چیت کرتے سنا۔ وہ لڑکیاں تین بہنیں تھیں۔

”میری خواہش ہے کہ میری شادی راجہ کے خانساماں سے ہو۔“

بڑی لڑکی بولی۔ ”تاکہ میں ہر روز بڑھیا بڑھیا کھانے کھا سکوں۔“

”میری خواہش ہے کہ میری شادی راجہ کے وزیر سے ہو۔“ دوسری بہن بولی۔ ”تاکہ میں خوب صورت کپڑے پہن سکوں اور خوب صورت بڑے سے گھر میں رہ سکوں۔“ سب سے چھوٹی لڑکی کچھ نہیں بولی۔

” تم کیوں نہیں بتاتیں کہ تم کیا چاہتی ہو؟ “ باقی دو بہنوں نے اس سے پوچھا۔ وہ پھر بھی چپ رہی۔ اس کی بہنیں بار بار اس سے اس کی خواہش جاننے کے لیے خوشامد کرتی رہیں۔

”اگر میں اپنی خواہش پوری کر سکوں“ وہ بولی“ تو میں راجہ سے شادی کروں۔ تب میں رانی بن جاؤں گی اور حکومت کے کاموں میں راجہ کی مدد کروں گی۔“

راجہ نے یہ سب کچھ سنا اور لوٹ کر محل میں آ گیا۔ دوسرے دن راجہ ' خانساماں اور وزیر دولہا بن کر ان لڑکیوں کے گھر گئے ۔ تینوں لڑکیوں کی شادی ان کی خواہش کے مطابق ہو گئی ۔ وہ اپنے اپنے شوہروں کے گھر گئیں اور خوشی سے رہنے لگیں۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا۔ دونوں بڑی بہنیں 'چھوٹی بہن سے جو رانی تھی' جلنے لگیں۔

انھیں لگتا کہ وہ ان سے ہر معاملے میں بہتر ہے۔

رانی کے لڑکا پیدا ہوا۔ اس کی دونوں بہنیں بچّے کی پیدائش کے وقت اس کی مدد کے لیے آئیں۔

رانی کے بچّے کو دیکھنے سے پہلے ہی دونوں بہنیں بچے کو اٹھا کر لے گئیں اور اس کی جگہ ایک

بلّی کا بچہ رکھ دیا۔

بچّے کو انھوں نے ایک مٹّی کے برتن میں بند کر کے ندی میں بہادیا۔ راجہ یہ جان کر بہت پریشان ہوا کہ اس کی بیوی نے بلّی کے بچے کو پیدا کیا ہے۔ رانی بھی بے چاری کئی دنوں تک روتی رہی۔

دو سال گزر گئے۔ رانی کے ایک اور لڑکا پیدا ہوا۔ لیکن اس کی بہنوں نے پھر اُسے دھوکا دیا۔

اس سے پہلے کہ رانی بچّے کو دیکھ سکے، انھوں نے بچّے کو ہٹا کر اس کی جگہ پرندوں کا ایک جوڑا رکھ دیا۔ انھوں نے پہلے کی طرح ہی اس بچّے کو بھی مٹّی کے ایک برتن میں بند کر کے ندی میں بہادیا۔

راجہ اور رانی اپنی قسمت پر بہت دُکھی تھے۔ دو سال بعد رانی کے پھر ایک بچّے کی پیدائش ہوئی۔ اس مرتبہ یہ ایک خوبصورت لڑکی تھی۔ لیکن دونوں بڑی بہنوں نے پھر پہلے ہی کی طرح دھوکا دیا۔ بچّی کو ہٹا کر اس کی جگہ ایک گڑیا رکھ دی۔ بچّی کو مٹی کے برتن میں بند کر کے ندی میں بہادیا۔

جب راجہ نے یہ سنا کہ تیسری مرتبہ بھی رانی نے ایک انوکھی چیز کو جنم دیا ہے تو اسے بڑا دھکّا لگا۔ اس نے دل میں سوچا۔ رانی عورت ہے یا جادوگرنی۔ اس خیال کی وجہ سے اس نے رانی سے اپنا پیچھا چھڑانے کا ارادہ کیا اور اُسے راج محل سے نکل جانے کا حکم دیا۔

بے چاری رانی چلی گئی اور ایک جھونپڑی میں رہنے لگی۔ وہ بھکارن کی طرح رہتی تھی کیوں کہ اس کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں تھا۔

ندی میں بہائے ہوئے بچّے مرے نہیں تھے۔ ایک برہمن اسی ندی کے کنارے کچھ ہی دور پر رہتا تھا۔ برہمن ندی میں نہا رہا تھا جب پہلا مٹی کا برتن بہتا ہوا آیا۔ اس نے پانی میں سے

برتن کو نکالا اور ان کے اندر نوزائیدہ بچّے کو دیکھ کر حیران ہو گیا۔

برہمن کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ اس نے بچّے کو گھر لے جاکر اپنی بیوی کو دے دیا۔

"دیکھو! ایشور نے ہمیں ایک بیٹا دیا ہے۔" وہ بولا۔

"ہمیں بڑی احتیاط سے اسے پالنا ہوگا۔"

برہمن اور اس کی بیوی بچّے کی پرورش کرتے رہے۔ انھوں نے اس کا نام اَرون رکھا۔

دو سال گزر گئے۔ برہمن پھر ایک دن ندی میں غسل کر رہا تھا۔ پھر دوسرا برتن بہتا ہوا آیا۔ وہ بچّے کو لے کر بھاگا بھاگا گھر آیا۔ وہ اور اس کی بیوی ایک اور بچّے کو پا کر بہت خوش تھے۔ اس کا نام انھوں نے ورون رکھا۔

"اگر ایک لڑکی بھی ہوتی تو کتنا اچھا ہوتا۔" برہمن کی بیوی بولی۔ دو سال اور گزر گئے اور برہمن کو تیسرا بچّہ بھی ندی میں بہتا ہوا ملا۔ "لو تمھاری خواہش پوری ہو گئی۔" وہ اپنی بیوی سے بولا۔

"یہ رہی تمھاری بیٹی۔"

برہمن اور اس کی بیوی بہت خوش تھے۔ اس لڑکی کا نام انھوں نے کرن مالا رکھا۔

برہمن مالدار تھا اور اس نے ان تینوں کو اچھی تعلیم و تربیت دینے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ دونوں لڑکے بہت خوبصورت نوجوان ہو گئے اور لڑکی بے حد خوبصورت جوان عورت۔ کسی چیز کی کوئی کمی نہیں تھی اور وہ بڑے مزے سے رہ رہے تھے۔

لیکن، برہمن اور اس کی بیوی اب بوڑھے ہو گئے تھے۔ کچھ دنوں بعد ہی ان کا انتقال ہو گیا۔

جس گھر میں وہ تینوں رہتے تھے وہ گھر تھا تو بہت بڑا مگر پرانا تھا۔ اس لیے انھوں نے ایک نیا

گھر بنانے کا فیصلہ کیا۔

ارون، ورون اور کرن مالا نے اپنا گھر محل جیسا بڑا اور خوبصورت بنوایا۔ انھوں نے اُسے بڑی قیمتی خوبصورت چیزوں سے سجایا اور اس کے چاروں طرف ایک خوبصورت بڑا باغ لگایا۔

ایک دن ایک سنیاسی ان کے گھر آیا۔ ارون، ورون اور کرن مالا نے اس کی بہت آؤ بھگت کی۔ ان تینوں بچوں سے سنیاسی بہت متاثر ہوا اس نے ان کی تعریف کی اور ان کی خوبصورتی اور باغ کو بھی خوب سراہا۔

"یہاں تمھارے پاس سب کچھ ہے۔" وہ بولا "صرف ایک چیز کی کمی ہے۔"

"وہ کیا؟" دونوں بھائی اور بہن نے سوال کیا۔

"یہاں سے بہت دور ایک پہاڑ ہے۔" سنیاسی بولا۔

"اس پہاڑ کی چوٹی پر ایک سونے کا پیڑ ہے اور اس پر دو توتے ہیں۔ ان توتوں کو اپنے گھر لے آؤ۔ تبھی تمھیں مکمل سکون اور لُطف ملے گا۔"
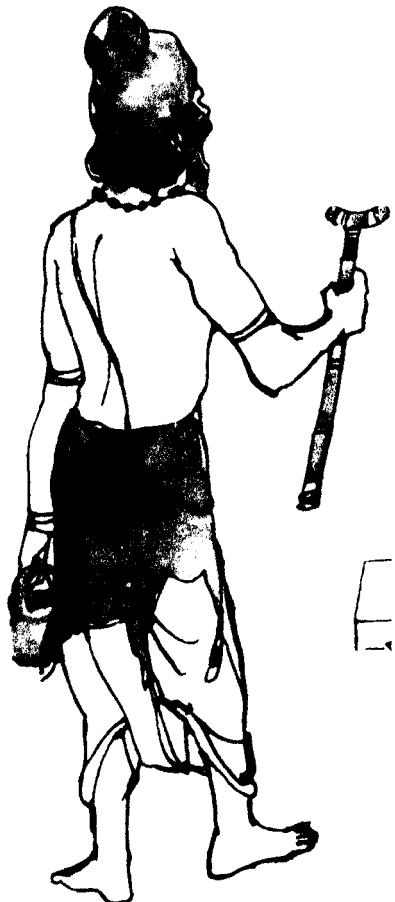
دونوں بھائیوں اور بہن نے بڑے دھیان سے سنیاسی کی بات سنی۔ ''لیکن اس پہاڑ تک جانے اور توتوں کو لانے کے لیے بڑی ہمّت کی ضرورت ہے۔'' سنیاسی نے آگے کہا۔

''ایک مشکل یہ ہے کہ جب تم توتے لے کر لوٹ رہے ہوں گے تو کسی بھی وجہ سے پیچھے مڑ کر مت دیکھنا۔ اگر تم نے پیچھے مڑ کر دیکھ لیا تو ایک دم چٹان بن جاؤ گے۔''

''ہم کوشش تو ضرور کریں گے۔'' تینوں بولے ''ہم آپ کے کہنے کے مطابق ہی کریں گے اور توتوں کو گھر لے آئیں گے۔''

سنیاسی نے انھیں دُعائیں دیں اور چلا گیا۔

سب سے پہلے ارون توتوں کو لینے کے لیے روانہ ہوا۔ وہ کئی دِنوں کے سفر کے بعد پہاڑ کی چوٹی پر جا پہنچا۔

وہاں اُسے سنہرا پیڑ ملا اور توتے بھی۔ اس نے پیڑ پر چڑھ کر توتوں کو پکڑ لیا۔ جب وہ لوٹ رہا تھا تو اچانک زور زور سے کوئی اُسے پکارنے لگا۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور اسی لمحہ وہ چٹان بن گیا۔ توتے اُڑ کر واپس سنہری پیڑ پر جا بیٹھے۔

بہت دن گزر گئے۔ جب ارون واپس نہیں آیا تو ورون یہ جاننے کے لیے کہ ارون کو کیا ہوا ہے، توتوں کی تلاش میں گھر سے نکلا۔ لیکن ورون کا بھی وہی حال ہوا۔ وہ بھی چٹان بن گیا۔

اپنے بھائیوں کے لوٹ آنے کا کرن مالا نے بہت انتظار کیا، لیکن ان کا تو کہیں نام و نشان نہیں تھا۔ آخر کار اُس نے خود جانے کا فیصلہ کیا۔ اُس نے مردانہ بھیس بدلا اور نکل پڑی۔ بہت دِنوں بعد وہ پہاڑ پر جا پہنچی۔ اس نے پیڑ کو تلاش کر لیا اور توتوں کو بھی پکڑ لیا۔ اب وہ پہاڑ سے نیچے اترنے لگی۔

اچانک اس نے ایک آواز سنی۔
"کرن مالا۔ کرن مالا۔" لیکن کرن
نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ اُسے
سنیاسی کی ہدایت یاد تھی اور وہ تیز
تیز قدم اُٹھاتی آگے بڑھتی رہی۔
اب بہت سی آوازیں اس کے پیچھے
چلاّ نے لگیں۔

"کرن مالا! کرن مالا! واپس آؤ۔"

لیکن اس کے پیچھے کیا ہو رہا ہے اس پر کرن مالا نے ذرا بھی دھیان نہیں دیا۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا ہی نہیں۔ اس نے تو توں کو خوب مضبوطی سے پکڑ لیا اور اپنے راستے پر چلتی گئی۔ کرن مالا جب پہاڑ کے نیچے پہنچی تو اس نے وہاں سنیاسی کو اپنا انتظار کرتے ہوئے پایا۔

"تم دنیا کی سب سے بہادر لڑکی ہو" وہ بولا۔

"تم نے وہ کر دیا ہے جو ہمارے ہزاروں نوجوان بھی کرنے میں ناکام رہے ہیں۔"

سنیاسی نے تب ان چٹانوں کی طرف اشارہ کیا جو اس کے پیچھے بکھری پڑی تھیں۔

"یہ مقدس پانی کا گھڑا لو۔" سنیاسی اس کو گھڑا دیتے ہوئے بولا۔ "اور چٹانوں پر پانی چھڑک دو۔"

کرن مالا نے جا کر ان چٹانوں پر پانی چھڑک دیا۔ جیسے ہی اس نے چٹانوں پر پانی چھڑکا۔ وہ غائب ہو گئیں۔ اور ان کی جگہ نوجوان کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے جھک کر اس کا استقبال کیا۔ دوبارہ زندہ ہونے پر انھوں نے اس کا بہت احسان مانا۔ ان نوجوانوں میں اس کے بھائی ارون اور ورون بھی تھے۔

ارون ،ورون اور کرن مالا نے سنیاسی سے اجازت لی اور گھر کی طرف چل دیئے۔ گھر پہنچ کر انھوں نے توتوں کو ایک سنہری پنجرے میں بند کر دیا اور بڑی احتیاط سے ان کی دیکھ بھال کرنے لگے۔

توتے انھیں بہت سی باتوں میں

صلاح دیتے تھے۔ ایک دن توتوں نے انھیں مشورہ دیا کہ جو بوڑھی عورت ان کے محل کے قریب جھونپڑی میں رہتی ہے اسے اپنے گھر لے آئیں۔ توتوں نے اس بوڑھی عورت کا پورا راستہ بھی بتادیا۔ وہ اس بوڑھی عورت کو گھر لے آئے۔ تب توتے بولے:

"اس سے اپنی ماں جیسا سلوک کرو اور خوب احتیاط سے اس کی دیکھ بھال کرو۔"

"انھوں نے توتوں کے مشورے کو ان لیا۔ وہ عورت ان کے ساتھ اس طرح رہنے لگی جیسے ان کی ماں ہو۔

ایک دن توتوں نے ارون، ورون اور کرن مالا سے کہا کہ وہ راجہ کو دعوت دیں۔ انھوں نے یہ بھی سمجھایا کہ کس طرح کھانا بنوائیں۔ اور کس طرح کھلائیں۔

انھوں نے ایک شاندار دعوت کا اہتمام کیا۔ راجہ اور شہر کے کئی بڑے لوگوں کو بلایا۔ ان کا خوب شاندار استقبال کیا۔

پھر کھانے کا وقت آیا۔

کرن مالا نے سب کو کھانے کے کمرے میں بلایا۔ توتے اپنے پنجرے میں بیٹھے سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ کرن مالا نے سب کو بیٹھنے کے لیے کہا۔ راجہ کو ایک خاص میز پر بٹھایا گیا۔ کھانا لایا گیا۔ راجہ کا کھانا سونے کی پلیٹوں میں تھا۔ راجہ نے ایک کے بعد ایک کھانا چکھا۔ اُسے بڑا تعجب ہوا کہ ہر کھانا پتھروں سے بنایا گیا تھا۔ ان میں سے وہ کچھ بھی نہیں کھا سکا۔

راجہ کو بہت غصّہ آیا۔ وہ کرن مالا اور اس کے بھائیوں کو گھورتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

''تم نے پتھروں سے بنا کھانا رکھ کر راجہ کی بے عزّتی کرنے کی کیسی ہمّت کی؟

وہ غصّہ سے چلّایا۔ اس سے پہلے کہ کوئی دوسرا جواب دیتا۔ ایک توتا بولا۔

''مہاراج! پہلے ہمارے سوالوں کا جواب دیجیے پھر ہم آپ کے سوال کا جواب دیں گے۔''

راجہ نے حیرت سے توتے کو دیکھا۔

''کیا سوال ہے تمھارا؟''

''کیا کوئی عورت'' دوسرا توتا بولا'' ہڈی اور گوشت کی بنی ہو، بلّی، چڑیا یا گڑیا کو جنم دے سکتی ہے؟''

راجہ کے ذہن میں جیسے بجلی کوند گئی۔ بہت سال پہلے اُسے یہی بتایا گیا تھا کہ اس کی رانی نے پہلے بلّی کو، پھر پرندوں کو اور پھر گڑیا کو جنم دیا ہے۔ اب اچانک اُسے احساس ہوا کہ توتا ٹھیک کہتا ہے۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟۔

''نہیں۔'' راجہ نے جواب دیا۔'' یہ کیسے ہو سکتا ہے، لیکن مہربانی کر کے مجھے سچ سچ بتاؤ۔ برسوں پہلے کیا ہوا تھا''؟

توتے نے اُسے اس کے بچوں کی پیدائش کا تمام واقعہ بتایا۔

"تمھارے بچّے اب یہاں ہیں۔ ارون، ورون اور کرن مالا۔"

راجہ کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ اُس نے اپنے بیٹوں اور بیٹی کو اپنے گلے سے لگالیا۔ اب وہ اپنی کھوئی ہوئی بیوی کے لیے افسوس کرنے لگا۔

"اب میری بیوی جانے کہاں ہے؟ جسے میں نے اپنی کم عقلی کی وجہ سے نکال دیا تھا۔" اس
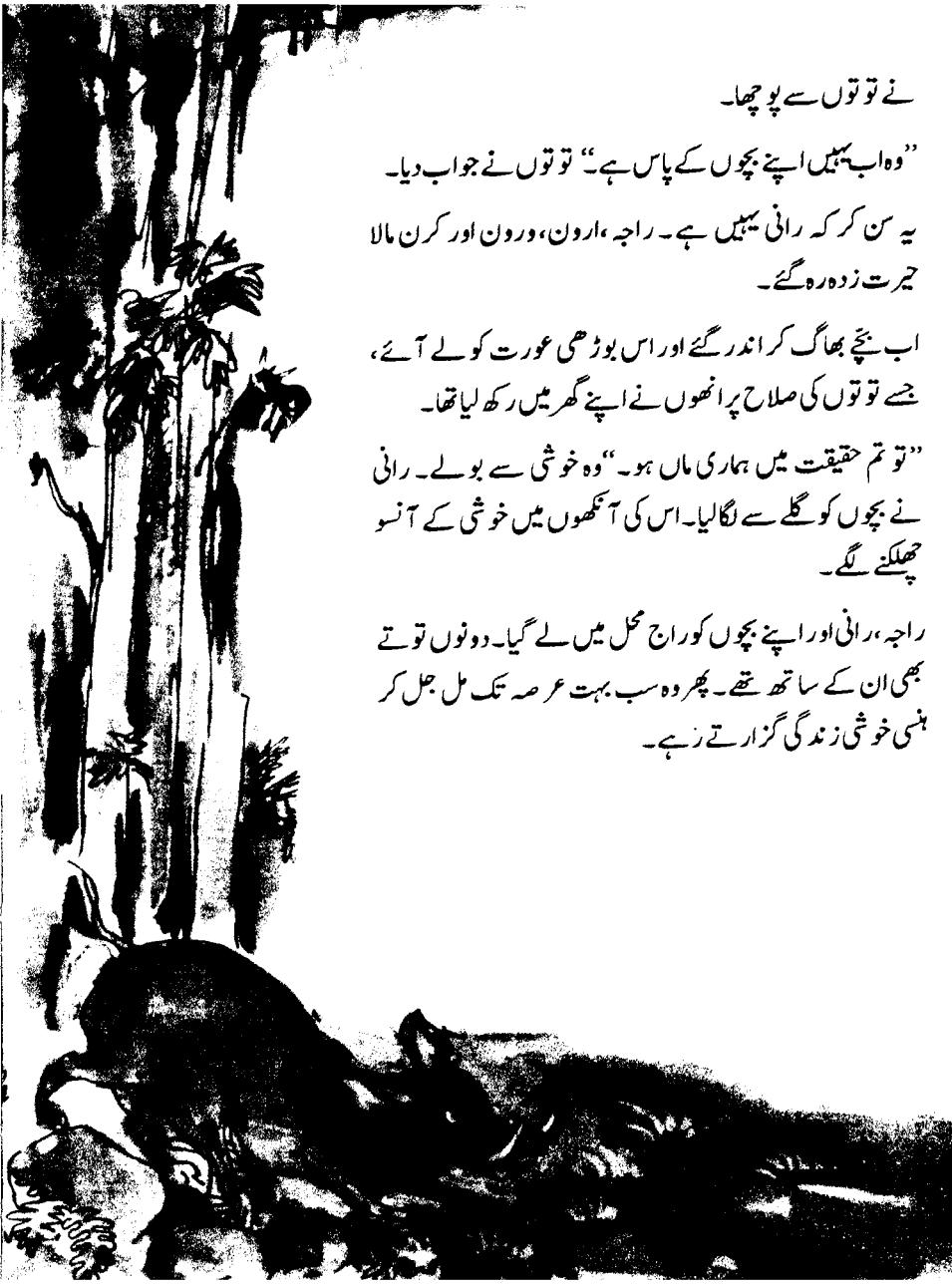
نے توتوں سے پوچھا۔

''وہ اب یہیں اپنے بچوں کے پاس ہے۔'' توتوں نے جواب دیا۔

یہ سن کر کہ رانی یہیں ہے۔ راجہ، ارون، ورون اور کرن مالا حیرت زدہ رہ گئے۔

اب بچّے بھاگ کر اندر گئے اور اس بوڑھی عورت کو لے آئے، جسے توتوں کی صلاح پر انھوں نے اپنے گھر میں رکھ لیا تھا۔

''تو تم حقیقت میں ہماری ماں ہو۔'' وہ خوشی سے بولے۔ رانی نے بچوں کو گلے سے لگالیا۔ اس کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو چھلکنے لگے۔

راجہ، رانی اور اپنے بچوں کو راج محل میں لے گیا۔ دونوں توتے بھی ان کے ساتھ تھے۔ پھر وہ سب بہت عرصہ تک مل جل کر ہنسی خوشی زندگی گزارتے رہے۔

ھُن چی بلّی

بہت پہلے ایک راجہ تھا۔ وہ راجہ تھا جنگل کے سب جانوروں کا۔ اور آسام کے گھنے جنگل کے ایک غار میں رہتا تھا۔ سارے جانور اس کے وفادار تھے۔

راجہ کی دو لڑکیاں تھیں۔ وہ اب دونوں شادی کے لائق ہو گئی تھیں۔ اس نے کچھ جانوروں سے اپنی لڑکیوں کے لیے مناسب لڑکوں کی تلاش کے لیے کہا۔

ایک دن ایک بہت بڑا جنگلی سوّر پاس کے گاؤں میں جاکر فصل کو برباد کرنے لگا۔ گاؤں والے اس خطرناک سوّر سے ڈر گئے۔ کسی میں اتنی ہمّت نہیں ہوئی کہ اس سوّر کو بھگا سکے۔

گاؤں میں ایک نوجوان تھا، جو صحت مند اور طاقتور تھا۔ وہ ایک تیز برچھا لے کر سوّر کی طرف لپکا۔ سوّر نے اس پر حملہ کر دیا مگر اس نے اپنے آپ کو بچا کر سوّر کو برچھے سے زخمی کر دیا۔ سوّر مڑا اور بھاگ گیا۔ وہ بہت تیز بھاگا مگر نوجوان نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ اس نے سوّر کو مار دیا ہوتا مگر وہ ایک پہاڑ کے غار میں گھس گیا۔ نوجوان غار میں گھس کر اس کا پیچھا کرنے ہی والا تھا کہ جنگلی جانوروں کے راجہ نے اس کو روک دیا۔

''تم کون ہو'' راجہ نے زور سے پوچھا۔

''تم نے میرے سوّر پر حملہ کرنے کی کیسی ہمّت کی؟''

نوجوان نے سارا واقعہ سنایا۔

''میں تمھیں معاف کرتا ہوں'' راجہ بولا ''اگر تم میری لڑکیوں میں سے کسی ایک سے شادی کرلو''

راجہ نے نوجوان کو دو لڑکیاں دکھائیں۔ ایک بہت بد صورت تھی، لیکن وہ بہت قیمتی، خوب صورت زیورات پہنے ہوئی تھی۔ دوسری لڑکی تھی، بڑی خوب صورت مگر چیتھڑوں میں۔

نوجوان نے خوبصورت لڑکی کو پسند کیا اور اس سے شادی کرلی۔ نوجوان کو یہ بات اچھی نہیں لگی کہ اس کی بیوی گھر تک راستے میں انھیں چھیتڑوں میں چلے۔ اس لیے اس نے لڑکی کو ایک ٹوکری میں بٹھادیا اور ٹوکری اٹھاکر گھر کی طرف چل دیا۔

راستہ ایک گاؤں سے ہو کر جاتا تھا۔ وہاں ہن چی بلی نام کی ایک مکّار نوجوان لڑکی رہتی تھی ۔ اس نے اس نوجوان کو ایک ٹوکری اٹھائے دیکھا۔ ہُن چی بلّی بہت ہی بد صورت تھی، لیکن اُسے یہ نوجوان پسند آیا۔ وہ اس سے شادی کرنا چاہتی تھی، اس لیے اس نے اس کا پیچھا کرنا شروع کردیا۔

نوجوان اپنے گاؤں پہنچ گیا۔ اس نے ٹوکری کو ایک پیڑ کے نیچے رکھ دیا اور بھاگتا ہوا اپنے رشتے داروں اور دوستوں کو اپنی بیوی کے استقبال کرنے کے لیے بلانے چلا گیا۔

نوجوان کے جانے کے بعد ہُن چی بلّی ٹوکری کے پاس گئی اور اسے کھولا تو اس میں ایک

لڑکی کو موجود پایا۔ اس نے اس لڑکی کو نکالا اور قریب ہی بہتی ہوئی ندی میں پھینک دیا۔ وہ خود ٹوکری میں بیٹھ گئی اور اوپر سے ڈھکن بند کر لیا۔

جب نوجوان اپنے رشتے داروں اور دوستوں کے ساتھ لوٹا تو خوشی خوشی اس نے ٹوکری کو کھولا ''دیکھو!'' وہ بولا ''یہ رہی میری خوبصورت بیوی، جنگل کے راجہ کی بیٹی۔''

لوگوں نے ٹوکری کے اندر جھانک کر دیکھا اور ہنسنے لگے۔ نوجوان کو بڑی حیرت ہوئی۔ اس نے عورت کی طرف دیکھا۔ یہ دیکھ کر وہ سہم گیا کہ ٹوکری میں جو عورت تھی، وہ بڑی بدصورت تھی۔

''نہیں۔ نہیں'' وہ بولا۔ ''یہ میری بیوی نہیں ہے۔''

''لیکن تم نے اس کے ساتھ شادی کی ہے۔'' اس کے دوست بولے ''اب اور کوئی چارہ نہیں۔ اسے گھر لے جاؤ اور بیوی کی طرح رکھو۔''

نوجوان اب کیا کرتا۔ اس عورت کو گھر لے جانے کے سوائے دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا۔ وہ عورت اس کے گھر میں رہنے لگی۔

جس لڑکی کو ندی میں پھینکا تھا وہ کنارے پر سنترے کے پیڑ کی شکل میں اُگ گئی۔ کچھ دن بعد اس پیڑ پر ایک بڑا سا سنترہ لگا۔

ایک دن اُس نوجوان نے پھل دیکھا۔ وہ اُسے توڑ کر گھر لے آیا اور اسی ٹوکری میں رکھ دیا۔ جس میں وہ اپنی بیوی کو اٹھا کر لایا تھا۔

نوجوان تو اپنے کھیتوں میں کام کرنے چلا گیا اور ہُن چی بلّی ایندھن اکھٹا کرنے جنگل چلی گئی۔

شام کے وقت جب وہ گھر لوٹا تو اس نے دیکھا کہ اس کا بستر بڑے سلیقے سے بچھا ہوا ہے اور اس پر بھینی بھینی خوشبو والے پھول بکھرے ہوئے ہیں۔ اس کے برخلاف ہُن چی بلّی کا بچھونا گندگی اور مری ہوئی مکھیوں سے بھرا پڑا ہے۔ وہ تعجب کرنے لگا کہ ایسا کس نے کیا ہوگا؟

دوسرے دن پھر شام کے وقت جب وہ نوجوان گھر لوٹ کر آیا تو اس نے پھر وہی ماجرا دیکھا۔ کل کی طرح آج بھی اس کا بستر بڑے سلیقے سے بچھا تھا، جبکہ ہُن چی بلّی کا بستر آج بھی گندا تھا۔

اس نوجوان نے اس سارے واقعہ کی اصلیت کا پتا لگانے کا فیصلہ کیا۔ اگلے دن وہ کام پر گیا، لیکن جلدی لوٹ آیا اور کمرے کے ایک کونے میں چھپ کر بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے پرانی ٹوکری کو کھلتے دیکھا۔ اس میں سے نکلی، جنگل کے راجہ کی لڑکی، جس سے اس کی شادی ہوئی تھی۔ وہ اس کا بچھونا ٹھیک کرنے لگی۔ اُسی وقت نوجوان نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''اتنے عرصے تم کہاں تھیں؟'' اس نے پوچھا ''تم مجھے چھوڑ کر کیوں چلی گئی تھیں؟''

تب لڑکی نے سارا واقعہ کہہ سنایا، جو اس پر گزرا تھا۔

ہن چی بلّی جب شام کو گھر لوٹی تو نوجوان بولا۔

''چلو، میں تمھیں تمھارے ماں باپ سے ملا لاؤں۔ آؤ! اس ٹوکری میں بیٹھ جاؤ۔ میں تمھیں وہاں اٹھا کر لے چلوں گا۔''

ہُن چی بلّی کو اس کا کہنا ماننا پڑا۔

ہُن چی بلّی کو وہ ٹوکری میں بٹھا کر ندی کے کنارے لے گیا۔ اُسے اس ندی میں پھینک دیا اور سیدھا گھر چلا آیا۔

اس کی بیوی، جنگل کے راجہ کی بیٹی، اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اس کے بعد دونوں بہت عرصہ تک ہنسی خوشی زندگی گزارتے رہے۔''
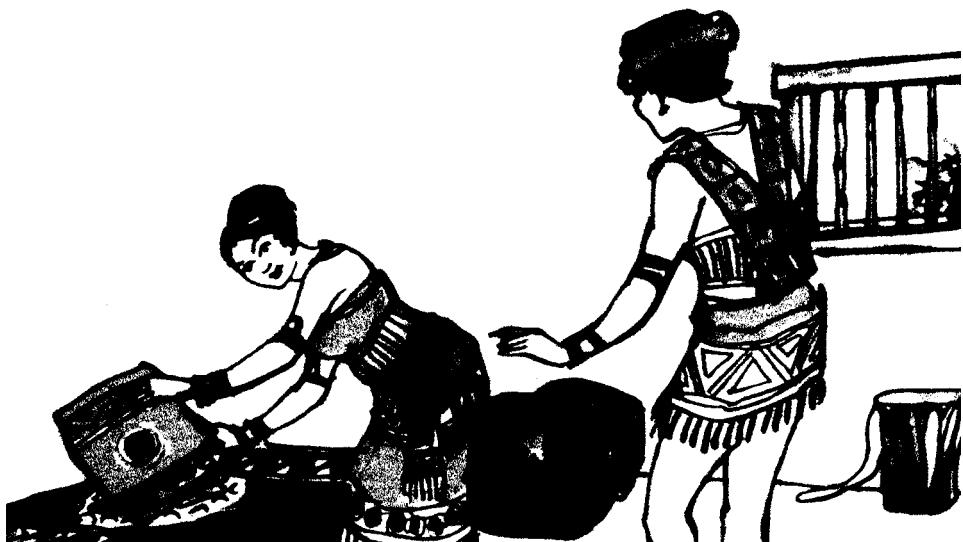
سوم دت اور مرا ہوا چوہا

ایک بار اچانک ہی ایک مالدار سوداگر کی موت ہو گئی۔ اس کے مکّار اور فریبی رشتہ داروں نے اس کی بیوہ بیوی سے سب کچھ چھین لیا۔ اس بات سے وہ اس قدر ڈر گئی کہ اپنے چھوٹے بیٹے سوم دت کو لے کر وہاں سے کہیں دُور چلی گئی۔

وہاں ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں رہنے اور ایک مالدار شخص کے یہاں نوکری کرنے لگی۔ اس طرح وہ اپنا اور اپنے بچّے کا پیٹ پالنے لگی۔

وہ اپنے بیٹے سے بہت پیار کرتی تھی اور اس کی پرورش میں بڑی محنت کرتی تھی۔ اپنی تھوڑی سی آمدنی میں جتنی تعلیم وہ دلا سکتی تھی، اس نے سوم دت کو دلائی۔ جب سوم دت سولہ سال کا ہو گیا۔ تو اس کی ماں نے سوچا کہ اب وہ کام کرنے کے لائق ہو گیا ہے۔

"میرے پیارے بچّے!" ایک دن ماں سوم دت سے بولی۔ "تم ایک تاجر کی اولاد ہو۔ تمھیں اپنے باپ کی طرح ہی کوئی کاروبار کرنا چاہیے، لیکن، ہمارے پاس سرمایہ نہیں ہے۔ اس شہر میں ایک امیر تاجر رہتا ہے، جو ہونہار نوجوانوں کو کام شروع کرنے کے لیے اُدھار رقم دیتا ہے۔ تم اُس کے پاس جاؤ۔ اور مدد مانگو۔"

دوسرے دن نوجوان سوم دت اسی امیر بیوپاری کے گھر گیا۔ وہاں پہنچ کر اُسے معلوم ہوا کہ بیوپاری کا مزاج تو بگڑا ہوا ہے۔ وہ کسی دوسرے نوجوان پر غصہ اُتار رہا تھا۔

"تمھیں ایک اچھا خاصا کاروبار کرنے کے لیے میں نے کافی روپیہ دیا تھا۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "تم نے اس کا کیا کیا؟ تم نے نہ کوئی منافع کمایا نہ اُدھار پر سود کے لیے پیسہ بچایا اور اب

اصل رقم بھی گنوا بیٹھے ہو۔ تم جانتے ہی نہیں کہ کاروبار کیسے کیا جاتا ہے؟"

"نہیں۔ جناب عالی" نوجوان بولا۔

"دیکھو" تاجر نے ایک مرے ہوئے چوہے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "ایک ہوشیار آدمی اس مرے ہوئے چوہے کو بھی پونجی مان کر کاروبار کر کے پیسہ پیدا کر سکتا ہے۔"

سوم دت نے اس مرے ہوئے چوہے کی طرف دیکھا۔ ایک لمحہ سوچا اور چوہے کو اٹھا کر تاجر کے پاس گیا۔

"آپ سے پونجی کے روپ میں میں یہ چوہا اُدھار لے رہا ہوں۔" وہ بولا۔

"اس کی رسید میں آپ کو دے رہا ہوں۔"

تاجر نے سوم دت کی طرف دیکھا اور ہنس پڑا۔ لیکن سوم دت سنجیدہ تھا۔ اس نے تاجر کو رسید دی اور مرے ہوئے چوہے کو اٹھا کر باہر لے آیا۔ سوم دت جب مرے ہوئے چوہے کو اٹھا کر سڑک پر جا رہا تھا تو ایک تاجر نے اپنی دوکان پر سے ہی آواز لگائی۔

"ارے۔ اس مرے ہوئے چوہے کو پھینکنا مت۔ میری بلّی کو دے دو۔ وہ بھوکی ہے۔"
سوم دت نے مرا ہوا چوہا تاجر کی بلّی کو دے دیا۔ اس کے بدلے میں اس نے سوم دت کو دو مٹھی بھر مٹر کے دانے دے دیئے۔

سوم دت نے مٹروں کو خوب پیس لیا۔ اس کے بعد ایک گھڑے میں پانی بھر کر ایک چوراہے پر جا بیٹھا۔

وہاں پر اس نے بہت سارے لکڑہاروں کو جنگل سے لکڑیوں کا بوجھ لے کر لوٹتے دیکھا۔ وہ بہت تھکے ہوئے تھے۔ سوم دت نے انھیں پسی ہوئی مٹر اور پانی دیا۔

لکڑہارے بہت خوش ہوئے۔ وہ سوم دت کے احسان مند تھے۔ ہر ایک نے اُسے دو دو لکڑیاں دیں۔

سوم دت نے یہ لکڑیاں بازار میں بیچ دیں۔ ان کے بیچنے سے جو پیسے ملے۔ کچھ سے اس نے اور مٹر خریدے اور باقی پیسے اپنے پاس جمع کر لیے۔

دوسرے دن سوم دت پھر چوراہے پر جاکر کھڑا ہو گیا۔ لکڑہاروں کو مٹر اور پانی دینے لگا۔ انھوں نے پھر بدلے میں لکڑیاں دیں۔ یہ لکڑیاں بھی اس نے بازار میں جاکر بیچ دیں۔

کئی دن اس طرح کر کے سوم دت نے لکڑیاں بیچ بیچ کر کافی پیسہ جمع کر لیا۔ اب وہ لکڑیوں کا چھوٹا سا دھندا کر سکتا تھا۔ تین دن تک اس نے لکڑہاروں سے ساری لکڑیاں خرید لیں۔ پھر اس نے ان لکڑیوں کو ایک محفوظ جگہ پر رکھ دیا۔

برسات شروع ہو گئی۔ کئی دنوں تک لگاتار بارش ہوتی رہی۔ شہر میں ایندھن کی کمی ہو گئی۔ لکڑیوں کی قیمت ایک دم بڑھ گئی۔

سوم دت نے جمع کی ہوئی لکڑیوں کو اچھے داموں میں بیچ دیا۔ اس پیسے سے اس نے ایک دوکان کھول لی۔ اپنی ہوشیاری اور محنت سے وہ کاروبار میں دن بدن تیزی سے ترقی کرتا گیا۔ کچھ ہی سالوں میں شہر کے نوجوان امیر ترین تاجروں میں اس کا شمار ہونے لگا۔ لیکن وہ اس امیر تاجر کو نہیں بھولا تھا، جس سے اس نے مرا ہوا چوہا لیا تھا۔ ایک دن اس نے سونے کا چوہا بنوایا اور اس تاجر سے ملنے گیا۔

''میں آپ کا بہت احسان مند ہوں، سیٹھ جی۔'' وہ انکساری سے بولا ''آپ نے مجھے اچھا مشورہ اور کاروبار کرنے کے لیے پونجی بھی ادھار دی۔''

اب اس نے سونے کا چوہا نکال کر تاجر کو دے دیا۔

''یہ کیا ہے؟'' تاجر نے تعجب سے پوچھا۔ ''کیا میں نے تمھیں کچھ اُدھار دیا تھا۔؟''

''جی ہاں! آپ نے دیا تھا'' سوم دت نے جواب دیا۔

''آپ نے مجھے ایک مرا ہوا چوہا اُدھار دیا تھا''
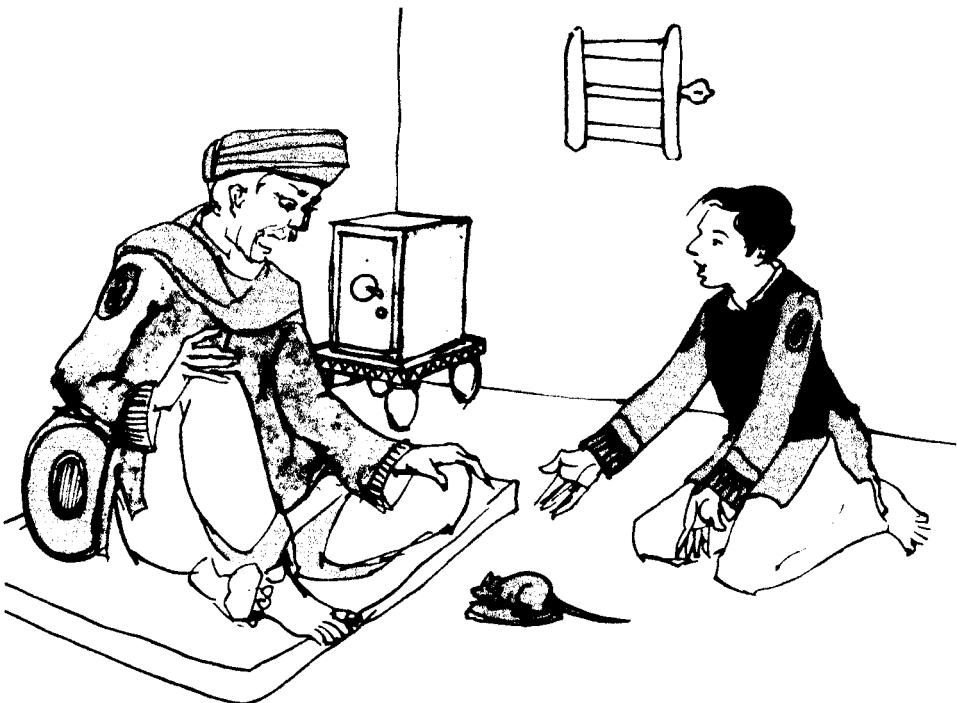
تب سوم دت نے تاجر کو اس دن سے آج تک کی تمام کہانی سنائی۔ امیر تاجر سوم دت سے مل کر اور اس کی کہانی سن کر بہت خوش ہوا۔ سوم دت نے اُسے اتنا متاثر کیا کہ اس نے اپنی لڑکی کی شادی بھی سوم دت سے کر دی۔

سوم دت کی ماں کو اپنے بیٹے پر بڑا فخر تھا۔

اس کے بعد سوم دت، اس کی بیوی اور ماں بڑے عیش و آرام سے رہنے لگے۔

نارانتھ کا پاگل

لوگوں کا یقین ہے کہ آج سے سیکڑوں سال پہلے کیرل میں ایک شخص رہتا تھا، جسے نارانتھ کا پاگل کہا جاتا تھا۔

ایک بار اس نے اپنی سال گرہ پر لوگوں کی دعوت کرنے کی سوچی۔ اس نے بہت سارے لوگوں کو دعوت دی اور دعوت کے لیے بہت سارے چاول، سبزیاں اور دوسری چیزیں خریدیں۔ اتنا سارا کھانا تیار کرنے کے لیے اس نے بہت سے باورچیوں کا انتظام بھی کیا۔

لیکن جب اس کو پتا چلا کہ اتنے سارے لوگوں کو کھانا کھلانے کے لیے اس کے پاس بڑے بڑے برتن نہیں ہیں تو وہ پڑوسیوں کے یہاں گیا اور جو برتن وہ دے
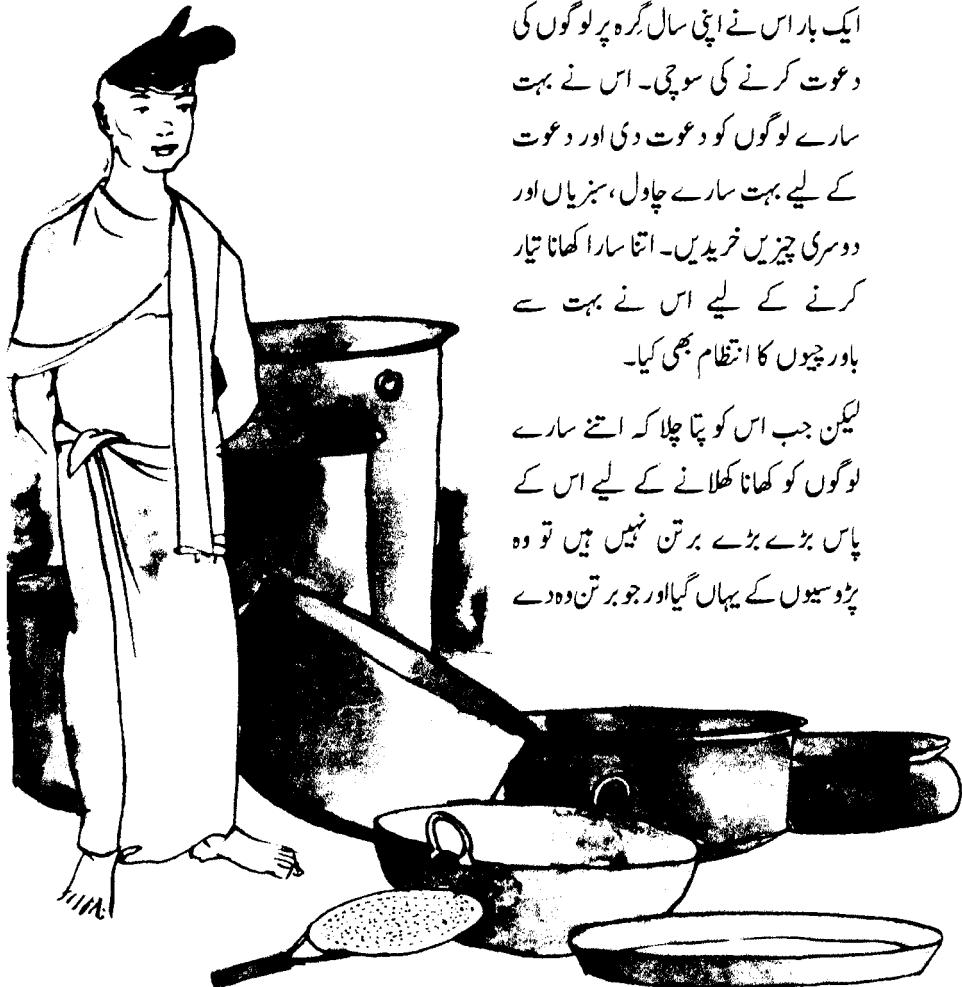
سکتے تھے مانگ لایا۔ ان برتنوں کو جمع کرنے میں اسے بڑی پریشانی ہوئی۔

ان تمام دقتوں کے بعد جب کھانا پکا اور لوگوں نے کھایا تو وہ بہت خوش ہوئے۔ ایسی شاندار دعوت انھوں نے کبھی نہیں کھائی تھی۔

دعوت کو ہوئے کافی دن گزر گئے، لیکن پاگل آدمی نے لوگوں سے اُدھار لیے برتنوں کو واپس نہیں کیا۔ کچھ پڑوسی اس کے گھر گئے اور اپنے برتنوں کا تقاضا کیا۔ اس نے سب کو یہ یقین دلا دیا کہ ان کے برتن محفوظ ہیں اور وہ جلد ہی انھیں واپس لوٹا دے گا۔

دو دن بعد اس نے برتن لوٹانا شروع کر دیے۔ ہر بڑے برتن کے ساتھ اس نے بالکل ویسا ہی ایک چھوٹا برتن بھی لوٹایا۔ سب نے اس سے پوچھا کہ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟

''میں نے یہ سب برتن اپنے تہہ خانے میں رکھ دیے تھے۔'' اس نے صفائی دی۔ ''اور اس تہہ خانے میں کوئی جادوئی طاقت ہے، جو بھی چیز وہاں رکھی جاتی ہے وہ زندہ ہو جاتی ہے۔ ایک دن جب میں تہہ خانے میں گیا تو دیکھا تمام برتن ناچ گا رہے ہیں۔ میں نے ان کے مزے کو خراب کرنا نہیں چاہا اور دروازہ بند کر دیا۔ انھیں ویسا ہی چھوڑ دیا۔ یہی وجہ تھی کہ برتن لوٹانے میں اتنی دیر ہو گئی۔ آخر میں جب میں برتن لینے کے لیے تہہ خانے میں گیا تو دیکھا کہ ہر برتن کے ساتھ اس کا چھوٹا بچہ بھی ہے۔ کیوں کہ برتن میرے نہیں تھے، اس لیے ان کے بچّے میرے

کیسے ہو سکتے تھے۔ میں تمھیں جو بچے لوٹا رہا ہوں، حقیقت میں ان پر تمھارا ہی حق ہے۔"

پاگل کے تمام دوست ایک ایک برتن پاکر بہت خوش ہوئے۔

کئی مہینے بیت گئے۔ نارانتھ کے پاگل نے اپنے باپ کا شرادھ (فاتحہ) کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ اس موقع پر بھی کوئی بڑی دعوت دینا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے کھانے کے لیے ایک ہزار لوگوں کی دعوت دی۔

اس بار اسے پچھلی مرتبہ سے بھی زیادہ برتنوں کی ضرورت تھی۔ اس نے پھر برتن اُدھار لیے۔

لوگوں نے اس مرتبہ جتنے برتن ان کے پاس تھے خوشی سے دے دیئے۔ یہاں تک کہ لوگ اپنے برتن خود اٹھا اٹھا کر اس کے گھر رکھنے لگے۔ اس طرح اس کے پاس ضرورت سے کہیں زیادہ برتن جمع ہو گئے۔ اس کے بعد اگر کوئی برتن لے کر آیا تو اس نے بڑا احسان مانتے ہوئے ان کے برتن رکھ لیے۔

جوں ہی دعوت ختم ہوئی۔ پاگل نے دو کشتیاں کرائے پر لیں اور خاموشی سے سارے برتن ان میں لدوا کر شہر میں انھیں بیچنے کے لیے چل دیا۔

شہر میں اس نے برتنوں کو اچھی قیمت پر بیچا اور گھر آکر آرام کرنے لگا۔

کافی عرصہ گزر گیا، جن لوگوں نے برتن دیئے تھے وہ اپنے برتن مانگنے آئے۔

"تمھارے برتن واپس کروں؟" اس نے الٹا سوال کیا۔

"لیکن میرے خیال سے تو وہ میرے پاس نہیں ہیں۔"

"تم یہ کہنے کی ہمت کیسے کر سکتے ہو؟" وہ غصے سے بولے۔

"ہم نے تمھیں دعوت کے لیے اپنے برتن اُدھار دیے تھے۔" اب انکار کرتے ہو۔"

"مہربانی کرو۔ چلاؤ مت۔ میں نے یہ تو نہیں کہا کہ میں نے تمھارے برتن اُدھار نہیں لیے تھے، لیکن بات یہ ہے کہ میں نے انھیں تہہ خانے میں رکھا تھا۔ اب وہ وہاں نہیں ہیں۔"

"تب وہ کہاں ہیں"؟ لوگوں نے غصّے سے پوچھا۔

"مجھے پتا نہیں۔" پاگل نے جواب دیا۔

لوگوں کو جب اس بات کا یقین ہو گیا کہ پاگل ان کے برتن واپس نہیں کرنا چاہتا تو انھوں نے اس پر کچہری میں نالش کر دی۔

نارانتھ کا پاگل کچہری میں جج صاحب کے سامنے پیش ہوا۔

"تم پر لوگوں کو دھوکا دینے کا الزام لگایا گیا۔" جج صاحب بولے۔

"میں تمھیں حکم دیتا ہوں کہ ان سب کے برتن لوٹا دو۔"

"جناب عالی"! پاگل نے جواب دیا۔" اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔

میرے تہہ خانے میں جادوئی طاقت ہے، جو چیز وہاں رکھیے وہ زندہ ہو جاتی ہے۔ ایک بار بہت سے برتن میں نے وہاں رکھے تو ان کے بچّے پیدا ہو گئے۔ تب میں نے لوگوں کو برتن واپس کیے، تو ہر ایک نے ماں برتن کے ساتھ بچّہ برتن بھی خوشی خوشی قبول کیا۔ ہر ایک کو پورا یقین تھا کہ دونوں برتن اسی کے ہیں۔"

"اچھا!" جج صاحب نے دلچسپی اور حیرت سے پوچھا۔

"جی! جناب عالی! دوسری مرتبہ جب میں نے وہاں برتن رکھے تو ایک حادثہ ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ سب برتنوں کی موت ہو گئی ہے۔ ان میں سے ایک بھی نہیں بچا۔ اگر آپ جنم مانتے ہیں تو آپ کو موت بھی ماننی پڑے گی۔"

جج صاحب کو پاگل کی یہ دلیل پسند آ گئی اور انھوں نے مقدمہ خارج کر دیا۔

برھمن اور شیر

ایک جنگل میں ایک شیر رہتا تھا۔ ایک مرتبہ اسے کافی عرصہ تک کوئی شکار نہ ملا۔ کسی جانور کی تلاش میں وہ سارے دن اِدھر اُدھر گھومتا پھرتا رہا۔

آخر کار اُسے دور ایک بکری کھڑی نظر آئی۔ وہ دبے پاؤں بکری کی طرف بڑھا۔ اس نے نزدیک پہنچ کر دیکھا کہ بکری ایک باڑے کے اندر ہے۔

شیر باڑے کے چاروں طرف گھوما تو اُسے ایک دروازہ مل گیا۔ دروازہ کھلا تھا اور وہ اندر گھس گیا۔ ایک ہی وار میں اس نے بکری کو گرا کر مار ڈالا۔ پھر پیٹ بھر کر اس کا گوشت کھایا۔

شیر اب خوش تھا اور واپس جنگل لوٹنا چاہتا تھا، لیکن جب وہ دروازے کے پاس پہنچا تو اس نے دیکھا کہ وہ بند ہے۔

اس نے دروازے کھولنے کی بھرپور کوشش کی، لیکن سب بیکار۔ دروازہ بڑی مضبوطی سے

بند تھااور کسی طرح بھی کُھل نہیں پا رہا تھا۔

اب شیر نے محسوس کیا کہ وہ ایک بہت بڑے پنجرے میں بند ہے۔ اس نے آزاد ہونے کے لیے پھر بہت ہاتھ پیر مارے مگر ناکام رہا۔ آخر تھک ہار کر وہ زمین پر لیٹ گیا۔ اب اسے ایسا لگ رہا تھا کہ اس کی جان خطرے میں ہے۔

اس وقت اس نے جنگل میں ایک برہمن کو آتے دیکھا۔ وہ پنجرے کی طرف ہی آرہا تھا۔ شیر نے ایک منصوبہ بنایا، جس کے ذریعہ وہ پنجرے سے آزاد ہو سکتا تھا۔ وہ اس طرح آنکھیں بند کر کے بیٹھ گیا جیسے پوجا کر رہا ہو۔

برہمن نے نزدیک آنے پر جب شیر کو دیکھا تو ڈر کے مارے اس کی جان نکل گئی، لیکن اس نے دیکھا کہ شیر پنجرے میں بند ہے تو اس نے سکون کی سانس لی۔ وہ کھڑا ہو کر شیر کو دیکھنے لگا۔

"یہ شیر کیا کر رہا ہے۔" اس نے خود سے سوال کیا۔

"ایسا لگتا ہے جیسے پوجا کر رہا ہو۔ کتنی انوکھی بات ہے۔ کیا جانور بھی ایشور کی پوجا کر سکتے ہیں؟"

کچھ لمحوں بعد شیر نے آنکھیں کھولیں اور برہمن کو دیکھ کر مسکرایا۔ برہمن وہاں سے بھاگنے لگا۔

"برہمن مہاراج! بھاگیے مت۔" شیر بولا۔

"ایشور نے میرے ذریعہ تمھیں ایک پیغام بھیجا ہے۔"

"ایشور کا پیغام۔" برہمن نے سوچا۔ "میرے لیے ہو سکتا ہے سچ ہو۔"

"پچھلے چالیس برسوں سے میں پراتھنا کر رہا ہوں۔ شاید اب ایشور نے میری پراتھنا سن لی ہو۔" برہمن شیر کے نزدیک چلا گیا۔

"کیا پیغام ہے؟" اس نے بڑی عاجزی سے پوچھا۔

"میں نے ابھی ایشور کو خواب میں دیکھا ہے۔" شیر نے جواب دیا۔

"مجھ سے ایشور نے کہا ہے۔ ایک برہمن مہاتما تمھارے پاس آئیں گے۔ مہربانی کر کے انھیں یہ پیغام دے دینا۔"

"تب ایشور نے تمھارے لیے مجھے پیغام دیا ہے۔"

"پیغام کیا ہے؟" برہمن نے پوچھا۔

"یہ پیغام مجھے آہستہ سے تمھارے کان میں کہنا پڑے گا۔" شیر بولا۔
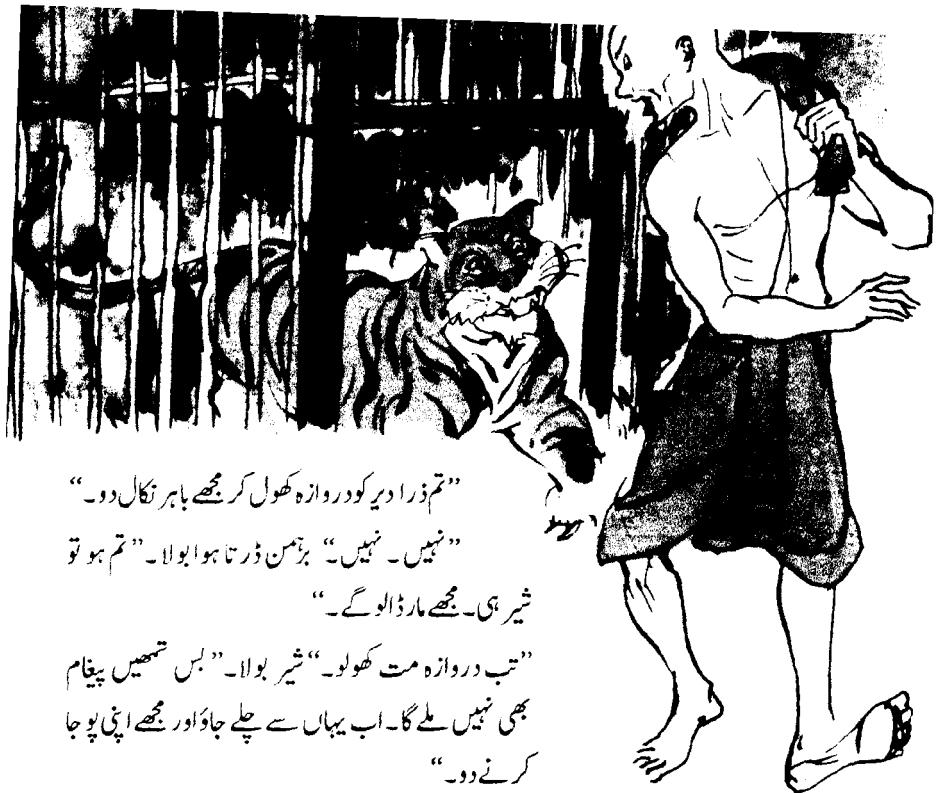
"تم ذرا دیر کو دروازہ کھول کر مجھے باہر نکال دو۔"

"نہیں۔ نہیں۔" برہمن ڈرتا ہوا بولا۔ "تم ہو تو شیر ہی۔ مجھے مار ڈالو گے۔"

"تب دروازہ مت کھولو۔" شیر بولا۔ "بس تمھیں پیغام بھی نہیں ملے گا۔ اب یہاں سے چلے جاؤ اور مجھے اپنی پوجا کرنے دو۔"

"غصّہ مت کرو۔" برہمن بولا۔ "میں تو وہی کہہ رہا تھا، جس کا مجھے ڈر ہے۔ لیکن اگر ایشور مجھ سے کچھ کروانا چاہتا ہے تو میں خوشی سے کروں گا۔"

"تب اپنا اور میرا وقت برباد مت کرو۔ جلدی سے دروازہ کھولو۔" برہمن نے پنجرے کا دروازہ کھول دیا۔ اور شیر باہر آگیا۔ وہ برہمن کو دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"تم سے ایشور خوش ہے۔" وہ بولا۔ "اور مجھ سے بھی ایشور خوش ہے۔ اس نے مجھے تمھیں یہ پیغام دینے کو کہا ہے۔"

"میرے بھگت! شیر کو کچھ کھانے کو دو۔"

"کھانا؟ تمھارے لیے؟" برہمن نے پوچھا۔ "میں نے خود ہی دو دن سے کچھ نہیں کھایا ہے اور میرا خاندان بھوک سے مر رہا ہے۔ میں تو جنگل میں سے نکل کر دوسرے گاؤں میں کھانا ہی مانگنے جا رہا تھا۔"

"لیکن ایشور جانتا ہے کہ مجھے دینے کے لیے تمھارے پاس کھانا ہے۔"

"کہاں؟ کیسے؟"

"شیر کے لیے تو تمھارا جسم ہی کھانا ہے۔ کیوں ہے نا"؟

شیر نے جواب دیا۔ "یہ جسم جلدی سے میری خدمت میں حاضر کر دو۔ نہیں تو مجھے زبردستی کرنی پڑے گی۔ مجھے ایشور نے یہی کرنے کے لیے کہا ہے۔"

"تم تو مجھے مارنا چاہتے ہو۔" برہمن چلاّ اٹھا۔

"یہ فیصلہ کرنا میرا کام نہیں۔ تم مرو یا نہیں۔" شیر بولا۔

"میں تو صرف تمھارا گوشت کھانا چاہتا ہوں۔"

"نہیں۔ ایسا مت کرو۔" برہمن خوف سے چلاّیا۔ "مجھ پر رحم کرو۔ میرے چھ بچّے ہیں اور وہ بھوک سے مر رہے ہیں۔ اگر میں مر گیا تو ان سب کی بھی موت ہو جائے گی۔ مہربانی کر کے مجھے جانے دو۔ میں تمھاری لمبی عمر کے لیے دُعا کروں گا۔"

"ارے نہیں۔" شیر بولا۔ "تم مجھے ایسے ہی چھوڑ کر نہیں جا سکتے، یہ تو ایشور کی مرضی ہے کہ میں تمھیں کھاؤں۔"

"مجھے مت مارو۔ مجھے مت مارو۔" برہمن نے مِنّت کی۔

"میں دوسرے گاؤں جاکر تمھارے لیے ڈھیر سارا کھانا لے آؤں گا۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔"

"مجھے تم پر بھروسہ ہے۔ لیکن میں اور انتظار نہیں کر سکتا۔" شیر بولا "میں تمھیں ابھی کھانا چاہتا ہوں۔ اس کے علاوہ.........." وہ کہتا گیا۔

"آدمی پر رحم نہیں کرنا چاہیے۔ وہ بڑا ظالم اور مکّار ہوتا ہے۔ دیکھو یہ پنجرہ آدمی نے مجھے پکڑنے اور مارنے کے لیے ہی بنایا ہے۔"

شیر برہمن پر جھپٹنے کو تیار تھا۔ برہمن چلّایا کہ اگر اس کی جان بخش دی جائے تو وہ اس کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہے۔"

"آدمی کو مرنا ہی چاہیے۔" شیر پھر بولا۔ "آدمی کو مار ہی دینا چاہیے۔ لیکن، پھر بھی میں تمھارے معاملے میں تمھیں ایک موقع دوں گا۔ ہم تین پنچوں کے پاس چلیں گے۔ اگر ان میں سے ایک بھی تمھاری مدد کے لیے تیار ہو گیا، تو میں اس معاملے پر پھر سے غور کروں گا۔"

برہمن کو شیر کی اس تجویز سے متفق ہونا پڑا۔ وہ دونوں پنچوں کی تلاش میں چل دیے۔ سب سے پہلے انھیں ایک گدھا ملا۔ انھوں نے اپنا سارا معاملہ اُسے بتایا۔ گدھے نے پوری بات سنی اور اپنا فیصلہ سنایا:

"میری طرف دیکھو۔" وہ بولا۔ "آدمی نے میرا کیا حال کر دیا ہے۔ میں نے ساری زندگی اُس کی غلامی میں گزاری۔ اب میں بہت بوڑھا ہو گیا ہوں اور کھڑا بھی نہیں ہو سکتا۔ کسی کام کے لائق نہیں رہ گیا تو اس نے مجھ گھر سے نکال دیا۔ آدمی بہت ظالم ہوتا ہے۔ اسے مرنا ہی چاہیے۔"

شیر نے گدھے کا شکریہ ادا کیا اور برہمن کی طرف دیکھ کر مسکرایا "چلو اب دوسرے پنچ کی تلاش کریں۔" وہ بولا۔

راستے میں انھیں ایک بہت بڑا مگرمچھ ملا۔ برہمن نے اسے سارا معاملہ بتایا اور اس سے انصاف اور رحم کی بھیک مانگی۔

"میں کچھ اور سننا نہیں چاہتا۔" مگرمچھ بولا۔ "مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ معاملہ کیا ہے؟۔ تمھیں پتہ نہیں میری بیوی کے ساتھ کیا گیا ہے؟ ایک آدمی نے اُسے گولی سے مار ڈالا۔ اس لیے کہ وہ اس کی کھال سے اپنی بیوی کے لیے بیگ بنوا سکے۔ آدمی کے زندہ رہتے کوئی بھی جانور محفوظ نہیں ہے، اس لیے اِسے مرنا ہی چاہیے۔"

مگرمچھ نے بنا کچھ سنے ہی اپنا فیصلہ سنا دیا۔

"آؤ اب تیسرے پنچ کی تلاش کرتے ہیں۔" شیر خوش ہوتا ہوا بولا۔

برہمن کانپتا، لڑکھڑاتا ہوا شیر کے پیچھے چلنے لگا۔ کافی دور چلنے کے بعد انھیں تیسرا پنچ ملا۔ یہ ایک لومڑی تھی۔ انھوں نے اس سے اپنا معاملہ سننے اور فیصلہ کرنے کی درخواست کی۔ لومڑی نے پوری کہانی بڑے غور سے سنی۔ پہلے اس نے شیر سے پورا واقعہ سنا اور اس کے بعد برہمن کو بولنے کا موقعہ دیا۔ وہ کچھ حیران سے ہو گئی۔ اس نے انھیں پھر معاملہ کو سمجھانے کو کہا۔ انھوں نے ویسا ہی کیا لیکن لومڑی کی سمجھ میں اب بھی وہ بات نہیں آئی تھی جو وہ بتانا چاہتے تھے۔

شیر اور برہمن کی باتیں سن کر وہ الجھن کا شکار ہو گئی۔ اس نے پریشان ہو کر کہا۔

"اچھا تو برہمن مہاراج پنجرے میں تھے، جب شیر آیا۔ ٹھیک ہے نا۔"

"نہیں، نہیں" شیر بولا۔ "برہمن نہیں۔ میں پنجرے میں تھا۔"
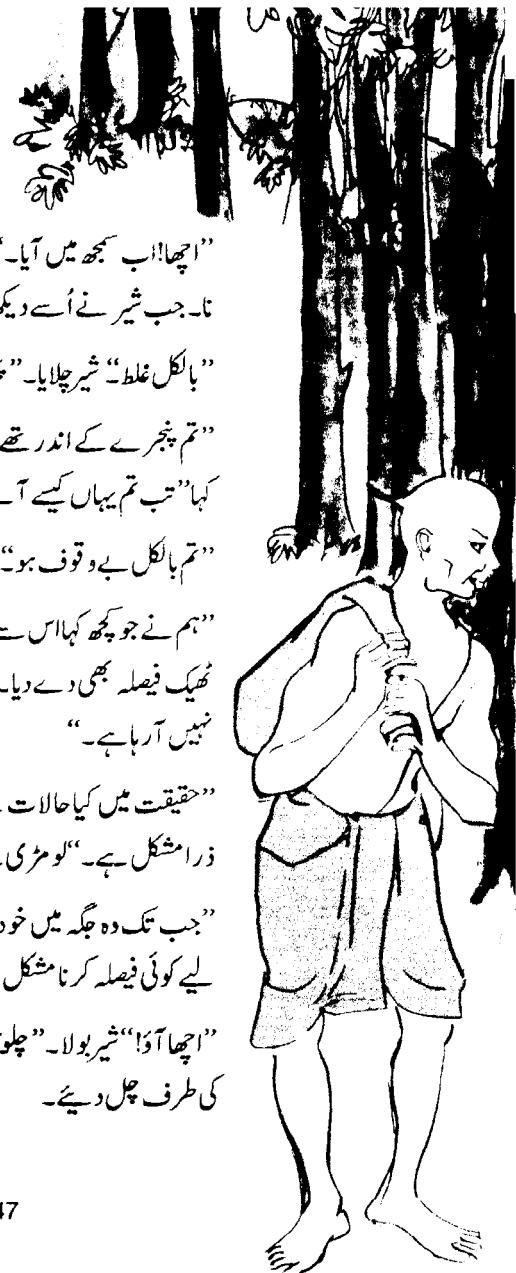
''اچھا! اب سمجھ میں آیا۔ ''لومڑی بولی۔ ''برہمن پرارتھنا کر رہا تھا، ہے نا۔ جب شیر نے اُسے دیکھا؟''

''بالکل غلط۔'' شیر چلایا۔ ''پنجرے میں میں تھا اور دُعا کر رہا تھا۔''

''تم پنجرے کے اندر تھے''؟ لومڑی نے حیرت سے سر کھجاتے ہوئے کہا ''تب تم یہاں کیسے آئے''؟

''تم بالکل بے وقوف ہو۔'' شیر غرایا ''تمھاری عقل میں کچھ بھی نہیں آرہا۔''

''ہم نے جو کچھ کہا اس سے دو پنچ تو ساری بات سمجھ گئے اور انھوں نے ٹھیک فیصلہ بھی دے دیا۔ لیکن ایک تم ہو کہ تمھاری سمجھ میں ہی کچھ نہیں آرہا ہے۔''

''حقیقت میں کیا حالات تھے یہ جاننا بہت ضروری ہے اور ان کو سمجھنا ذرا مشکل ہے۔''لومڑی نے صفائی پیش کی۔

''جب تک وہ جگہ میں خود نہ دیکھ لوں، جہاں یہ واقعہ ہوا ہے۔ میرے لیے کوئی فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ چلو ہم سب وہیں چلتے ہیں۔''

''اچھا آؤ!'' شیر بولا۔ ''چلو چلتے ہیں۔ برہمن، شیر اور لومڑی تینوں پنجرے کی طرف چل دیئے۔

''اب مجھے دیکھنے دو۔ ''لومڑی بولی۔ برہمن مہاراج آپ پنجرے میں گھسیے اور ویسے ہی بیٹھیے جیسے آپ بیٹھے تھے اور شیر کو یہیں پرارتھنا کرنے دو۔''

''تم تو پکے سرے کی بے وقوف ہو۔'' شیر بولا ''پنجرے میں بیٹھا میں بھجن کر رہا تھا اور برہمن جنگل کی طرف سے آ رہا تھا۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' لومڑی بولی۔

''میں تمھیں دکھاتا ہوں۔'' شیر یہ کہتا ہوا پنجرے میں گھس گیا۔

''اب برہمن مہاراج پنجرے کا دروازہ بند کر دو۔ تب مجھے دکھاؤ کہ تم نے دروازہ کیسے کھولا تھا۔''

کانپتے ہوئے ہاتھوں سے برہمن نے پنجرے کا دروازہ بند کر کے تالا لگا دیا۔

''کیا تم دیکھنا چاہتی ہو کہ میں نے دروازہ کیسے کھولا تھا۔'' برہمن نے لومڑی سے پوچھا۔

''او بدھو۔!'' لومڑی غصّے سے بولی۔ ''میں نے تم سے بڑا بے وقوف ابھی تک نہیں دیکھا۔ بھاگو اور اپنا راستہ پکڑو۔ جیسے کہ کبھی کچھ ہوا ہی نہ ہو۔''

پھر لومڑی شیر کی طرف مسکرا کر بولی۔

''الوداع! پیارے شیر۔ آپ بڑے مزے سے اب اپنی پرارتھنا میں مگن رہ سکتے ہیں۔

قسمت

بہت زمانہ گزرا کسی جگہ ایک بوڑھا جولاہا رہتا تھا۔ وہ شیو جی کا بڑا بھگت تھا۔ اُسے ایشور سے یہ دُعا کرتے ہوئے پچیس سال ہوگئے تھے کہ اُسے آرام اور چین سے رہنے کے لیے بہت سی دولت مل جائے۔

وہ بڑی عقیدت سے ہر روز صبح، شام شیو مندر جاتا تھا۔ وہاں وہ چُپ چاپ پرارتھنا کرتا۔ پھر مندر کے سو چکّر لگاتا۔ اس کے بعد مورتی کے آگے سر جھکا کر سلام کرتا اور پھر گھر واپس آجاتا۔

حالاں کہ جولاہا پچھلے پچیس سالوں سے بڑی لگن اور عقیدت سے پرارتھنا کر رہا تھا مگر اس کے مالدار ہونے کا کہیں کوئی نشان نہیں ملتا تھا۔ لیکن پھر بھی اس کا ایشور پر مکمل اعتقاد تھا۔ اُسے پورا یقین تھا کہ شیو جی اُسے ایک دن ضرور امیر آدمی بنادیں گے۔ بڑے صبر سے وہ اس دن کا انتظار کر رہا تھا۔

بے چارہ جولاہا بوڑھا ہوتا جا رہا تھا۔ اس کی صحت بھی ٹھیک نہیں تھی۔ دن میں دو مرتبہ مندر کے ایک سو چکّر لگانے سے وہ کافی تھک جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اُسے چلنے کے لیے لاٹھی کی مدد لینی پڑتی تھی۔

سورگ میں بیٹھے شیو جی نے جولاہے کی فریاد سن کر بھی اس کی مدد کے لیے کچھ نہیں کیا، لیکن ان کی بیوی پاروتی جی کو غریب جولاہے پر بڑا ترس آیا۔ ایک دن انھوں نے دیکھا کہ مندر کے چکّر لگاتے لگاتے وہ گرنے والا ہی تھا کہ سنبھل گیا۔ انھوں نے سوچا کہ اس غریب جولاہے کے بارے میں انھیں اپنے پتی سے بات کرنی چاہیے۔

''پربھو۔!'' پاروتی جی شیو جی سے بولیں۔ ''آپ اپنے بھگت بوڑھے جولاہے کے ساتھ اتنی سختی کیوں کر رہے ہیں۔ وہ اتنے زمانے سے آپ کی بھگتی کر رہا ہے۔''

''کیوں؟'' شیو جی نے پوچھا۔ ''آپ ایسا کیوں سوچتی ہیں کہ میں اُس سے سختی کر رہا ہوں۔''

''اس کی طرف دیکھیے''۔ پاروتی جی نے کہا۔ ''وہ پچھلے پچیس سالوں سے آپ کے آشیرواد کے لیے پرارتھنا کر رہا ہے۔ آپ نے اس کے لیے کیا کیا؟ اب وہ بوڑھا ہو گیا ہے اور اچھی طرح سے چل بھی نہیں سکتا۔ آپ اس کی باقی زندگی آرام سے کیوں نہیں گزارنے دیتے۔''

شیو جی پاروتی جی کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔

''کیا تم مجھے پتھر دل سمجھتی ہو؟ سوچو وہ اگر دولت کا استعمال کر سکتا تو میں اُسے دولت دینے سے انکار کرتا؟''

''دولت کا استعمال وہ کیوں نہیں کر سکتا۔'' انھوں نے پوچھا۔

''میں آپ کی بات نہیں سمجھی۔''

''اس کی قسمت میں دولت ہے ہی نہیں۔'' شیو جی بولے۔

''قسمت؟'' یہ سب فضول باتیں ہیں'' پاروتی نے جواب دیا۔

''بھلا اگر آدمی کے پاس دولت ہو تو وہ اس کا استعمال کیوں نہیں کر سکتا۔ میں یہ سب نہیں مانتی۔''

"اچھا۔" شیو جی بولے "بوڑھے جولاہے کو میں ایک سونے سے بھرا برتن دوں گا۔ پھر دیکھتے ہیں کہ اسے لے کر وہ اس کا صحیح استعمال کرتا ہے یا نہیں۔"

آؤ میرے ساتھ۔ چلو اسی مندر میں چلیں، جہاں وہ پوجا کرنے آتا ہے۔"

بھگوان شیو اور پاروتی زمین پر آگئے اور اس مندر میں جا پہنچے۔

"دیکھو"! شیو جی بولے۔ "وہ آنگن میں اکیلا ہے اور مندر کی پریکرما کر رہا ہے۔ یہ سونے سے بھرا برتن میں اس کے آگے رکھ دیتا ہوں تاکہ اُسے آسانی سے مل جائے۔" سونے سے بھرا برتن شیو جی نے جولاہے کے راستے میں اس طرح رکھ دیا کہ وہ اُسے ضرور دیکھ لے۔ تھوڑی دیر بعد شیو جی اور پاروتی نے دیکھا۔

بوڑھا جولاہا چلتا گیا۔

"بھگوان شیو مجھے کتنے دن اور یہ دکھوں سے بھری زندگی گزارنی پڑے گی۔ کتنے زمانے سے میں تمھاری بھگتی کر رہا ہوں مگر تم نے میری مدد نہیں کی۔ پھر بھی میں تمھارے رحم کے لیے شکر کرتا ہوں کہ میں اتنا کام تو کر سکتا ہوں۔ میں کتنا خوش نصیب ہوں کہ

اس بڑھاپے میں بھی نظر ٹھیک ہے اور میں خوب اچھا سُن لیتا ہوں۔"

تب اُس کے دل میں ایک ڈراؤنا خیال آیا۔ خیال اتنا خطرناک تھا کہ وہ ایک لمحے کے لیے ساکت ہو گیا۔

"اگر کہیں میری آنکھوں کی روشنی چلی جائے تو میرا کیا ہو گا؟ میں اپنی روزی کیسے کماؤں گا۔ مندر کیسے آؤں گا۔ میں کپڑے نا بھی بُن سکوں، لیکن مندر میں پرارتھنا کرنے تو ضرور آؤں گا۔ لیکن کیا میں مندر کے چکّر لگا سکوں گا۔ شاید میں کر سکوں گا۔ اچھا کوشش کر کے دیکھوں۔ میں اس طرح چل لوں گا۔"

جولاہے نے اپنے آنکھیں بند کر لیں اور چلتا رہا۔ وہ یونہی آنکھیں بند کیے چلتا رہا اور سونے کے گھڑے کے پاس سے گزر گیا۔ تب اس نے آنکھیں کھولیں اور مُسکرایا۔

"ہاں مجھے فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر میں اندھا ہو بھی جاؤں تو مندر کے چکّر تو لگا ہی سکتا ہوں۔"

اس طرح جولاہے نے سونے سے بھرا گھڑا نہیں دیکھا اور گھر چلا آیا۔

شیو جی نے پاروتی کی طرف دیکھا۔ "اب بتاؤ۔ میں نے کہا نہیں تھا کہ جولاہے کی قسمت میں امیر ہونا نہیں لکھا ہے۔"

"آپ کیا اس کی کسی اور طرح مدد نہیں کر سکتے؟" پاروتی جی نے پوچھا۔

"ہاں میں اس کے لیے یہ کر سکتا ہوں۔" شیو جی نے جواب دیا۔ "اب دولت کے لیے اس کی دلچسپی اور جھکاؤ ختم ہو جائے گا اور وہ آرام سے رہنے لگے گا۔"

شیو جی اور پاروتی جی سونے سے بھرا گھڑا گھر لے آئے۔

جادو کی چارپائی

ایک گھر میں سات بھائی ایک ساتھ رہتے تھے۔ چھ بھائی تو خوب محنت سے کام کرتے مگر سب سے چھوٹا بڑا کاہل تھا۔ اس کے بھائی اس سے ذرا بھی خوش نہ تھے۔ انھوں نے کئی مرتبہ اس سے کچھ کام کرنے کے لیے کہا مگر اس نے نہیں مانا۔ وہ بس کھاتا، سوتا اور آوارہ گردی کرتا۔

ایک دن سب سے بڑے بھائی کو اپنے چھوٹے کاہل بھائی پر بڑا غصہ آیا۔ اس نے اپنی بیوی سے کہا جب چھوٹا بھائی شام کے وقت گھر آئے تو اسے کھانا مت دینا۔ جب چھوٹا بھائی گھر آیا اور اس نے کھانا مانگا تو اس کی بھابھی بولی کہ اس کے لیے کھانا نہیں ہے۔ یہ بات سن کر وہ غصے سے لال پیلا ہو گیا۔ اس قسم کا سلوک اس کے ساتھ پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ اب اس گھر میں نہیں رہے گا۔

دوسرے دن اس نے صبح ہی گھر چھوڑ دیا اور اپنی قسمت آزمانے نکل پڑا۔ جو پہلی سڑک اسے نظر آئی وہ اسی پر چل دیا۔

وہ چلتا گیا۔ چلتا گیا۔ چلتے چلتے وہ اس قدر تھک گیا کہ اب ایک قدم بھی چلنا اس کے لیے دشوار ہو گیا۔ تب اُسے ایک بڑا سا گاؤں

ملا۔ گاؤں میں وہ اِدھر اُدھر کام کی تلاش میں بھٹکنے لگا۔

اُسے ایک بڑھئی ملا، جو اُسے اپنے گھر لے گیا۔ اُس نے اُسے کھانا کھلایا اور رات کو سونے کی جگہ دی۔

بڑھئی نے دوسرے دن نوجوان سے اپنے کام میں مدد کرنے کو کہا۔ نوجوان اِس بات پر راضی ہو گیا۔ اس نے کام میں بہت دلچسپی دکھائی۔ بڑھئی اُسے اپنے مددگار کے طور پر پاکر بہت خوش تھا۔

دن ہفتوں اور ہفتے مہینوں میں بدل گئے۔ نوجوان ایک ہوشیار کاریگر بن گیا۔ اس کے کام سے بڑھئی اس قدر خوش ہوا کہ اس کے ساتھ اپنی اکلوتی بیٹی کی شادی کر دی۔

شادی کے بعد نوجوان پھر اپنی پُرانی عادتوں پر آگیا۔ اس نے کام کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ کھاتا پیتا اور مزے سے اپنی بیوی کے ساتھ رہتا۔

بڑھئی نے کئی مرتبہ اس سے کام کرنے کے لیے کہا مگر وہ اَن سنی کر دیتا۔ اسی طرح مہینوں گزر گئے۔ بڑھئی کا غصہ بڑھتا گیا۔ آخر کار مجبوراً اُس کو یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ اب بیٹی اور داماد کو گھر میں نہیں رکھنا ہے۔ اس نے نوجوان سے کہا کہ وہ اپنی بیوی کو لے کر گھر سے نکل جائے اور کہیں دوسری جگہ قسمت آزمائے۔ عادت کے مطابق اس نوجوان نے بڑھئی کی یہ بات بھی ان سنی کر دی مگر بڑھئی بڑے غصّے میں تھا اس نے دونوں کو دھکّے دے کر گھر سے باہر نکال دیا۔ پھر جاتے وقت اس نے اوزاروں کی ایک پیٹی انھیں دے دی۔

"یہ رہا تمھارا جہیز۔ اگر ان اوزاروں کا صحیح استعمال کرو گے تو اچھی طرح سے رہ سکو گے۔"

نوجوان اور اس کی بیوی وہاں سے بہت دور چلے گئے اور ایک چھوٹے سے گھر میں رہنے لگے۔ ان کے پاس جو جمع پونجی تھی وہ چند دنوں میں ہی ختم ہو گئی۔ اس کی بیوی بولی۔

"اب اگر تم بھوک سے مرنا نہیں چاہتے ہو تو جا کر کچھ کام کرو۔"

"میں کیا کام کروں"؟ اس نے پوچھا۔

"جنگل میں جاؤ اور کچھ لکڑیاں کاٹ کر لے آؤ۔ اس لکڑی سے کچھ فرنیچر بناؤ۔ اسے بازار میں بیچو۔"

دوسرے دن وہ صبح جنگل میں گیا۔ وہاں سے کچھ لکڑیاں کاٹ کر گھر لے آیا۔ اس نے بڑی محنت سے کچھ فرنیچر بنایا۔ اگلے دن اس نے وہ سامان بازار میں بیچ دیا۔ اس کی بیوی بہت خوش ہوئی۔ اب وہ گھر کی ضرورت کا سامان خرید سکتی تھی۔

اس طرح اس کا شوہر کام کرتا رہا۔ لکڑی کاٹ کر لاتا۔ سامان بناتا اور بازار میں بیچ دیتا۔

ایک دن وہ اچھی لکڑی کی تلاش میں جنگل میں بہت دور نکل گیا۔ وہاں اس نے دو آدمیوں

کو باتیں کرتے سنا تو اُسے بڑی حیرت ہوئی۔ اس نے چاروں طرف دیکھا مگر اُسے کوئی دکھائی نہیں دیا۔ وہاں صرف دو ہی اونچے اونچے درخت کھڑے تھے۔ اُن میں سے اس نے ایک پیڑ کی لکڑی کو کاٹا اور گھر لے آیا۔ اس لکڑی سے اس نے ایک بہت خوبصورت پلنگ بنایا۔ دوسرے دن وہ پلنگ کو فروخت کرنے کے لیے بازار لے گیا۔

اُس علاقے کا راجہ وہاں سے گزر رہا تھا۔ اس نے اس خوبصورت پلنگ کو خرید لیا۔

راجہ نئے پلنگ پر سونا چاہتا تھا۔ اس نے نوکروں کو حکم دیا کہ اس کا بستر نئے پلنگ پر بچھایا جائے۔

کھانے کے بعد راجہ اپنے سونے والے کمرے میں گیا اور نئے پلنگ پر لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اسے محسوس ہوا جیسے کوئی باتیں کر رہا ہے۔ اس نے دیکھا کہ پلنگ کے پائے آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔ ایک پایا بولا:

''میں باہر گھومنے جا رہا ہوں۔ دیکھو میرے جانے پر تم تینوں پلنگ کو ٹھیک سے ٹکائے رکھنا میں جلدی ہی لوٹ آؤں گا۔''

تب راجہ نے پائے کو جاتے دیکھا۔ راجہ اس واقعہ کے بعد سو نہیں سکا۔ وہ پائے کے لوٹ کر آنے کا انتظار کرتا رہا۔ تھوڑی دیر میں پایہ واپس آ گیا۔

''تم کہاں گئے تھے۔؟ تم کیا دیکھ کر آئے ہو''؟۔ باقی تینوں پایوں نے سوال کیا۔

''میں راجہ کے باورچی خانے میں گیا تھا۔'' پایہ بولا۔

''اور جانتے ہو، میں نے وہاں کیا دیکھا؟ میں نے وہاں بہت ساری نوکرانیوں کو ڈھیر سا سامان اپنے گھروں کو بھیجتے دیکھا۔''

تب پلنگ کا دوسرا پایہ بولا۔ ''تم تینوں پلنگ کو ٹکائے رکھنا میں بھی گھوم کر آتا ہوں۔'' اور
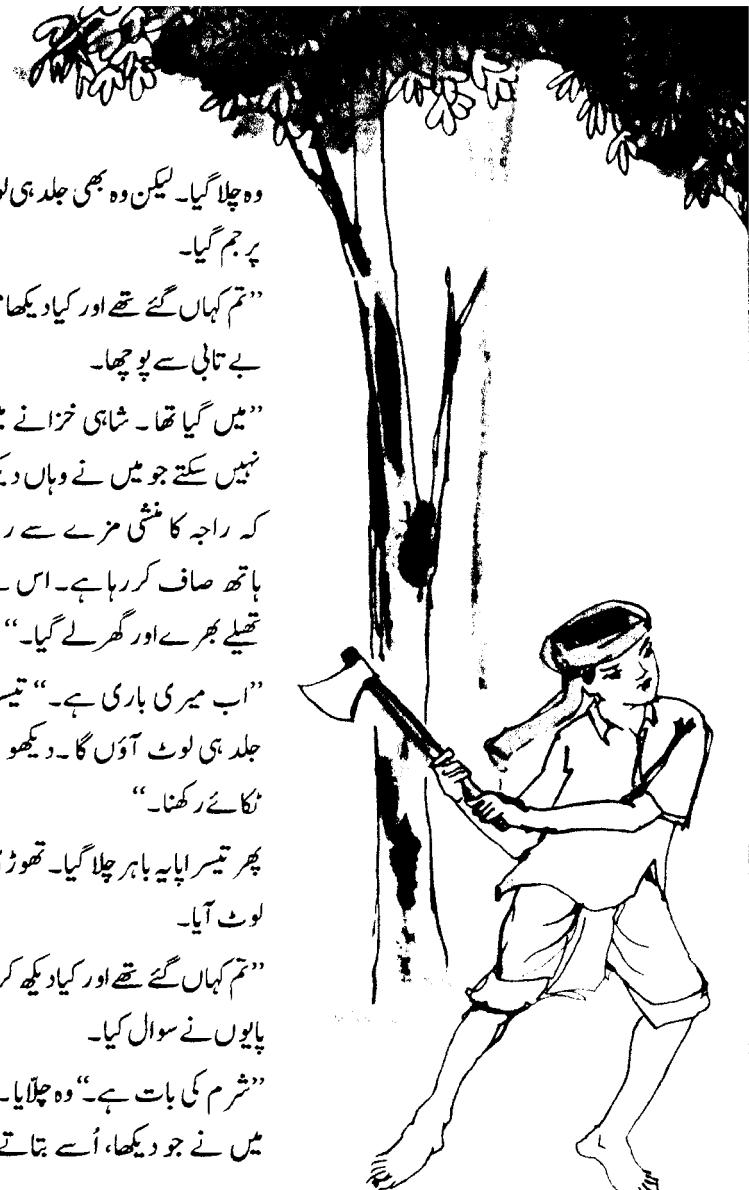
وہ چلا گیا۔ لیکن وہ بھی جلد ہی لوٹ آیا اور اپنی جگہ پر جم گیا۔

''تم کہاں گئے تھے اور کیا دیکھا؟'' تینوں پایوں نے بے تابی سے پوچھا۔

''میں گیا تھا۔ شاہی خزانے میں ۔ تم سوچ بھی نہیں سکتے جو میں نے وہاں دیکھا؟ میں نے دیکھا کہ راجہ کا منشی مزے سے راجہ کے خزانے پر ہاتھ صاف کر رہا ہے۔ اس نے روپیوں سے دو تھیلے بھرے اور گھر لے گیا۔''

''اب میری باری ہے۔'' تیسرا پایہ بولا ۔''میں جلد ہی لوٹ آؤں گا۔ دیکھو پلنگ کو ٹھیک سے ٹکائے رکھنا۔''

پھر تیسرا پایہ باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد تیسرا پایہ لوٹ آیا۔

''تم کہاں گئے تھے اور کیا دیکھ کر آئے ہو؟'' تینوں پایوں نے سوال کیا۔

''شرم کی بات ہے۔'' وہ چلاّیا۔''میں کیا بتاؤں۔ میں نے جو دیکھا، اُسے بتاتے ہوئے مجھے شرم

آتی ہے۔"

"ہمیں جلدی سے بتاؤ۔" پایوں نے خوشامد کی۔ "ایسی شرم کی کیا بات دیکھی تم نے"؟۔

"میں تمھیں کیسے بتاؤں کہ میں نے کیا دیکھا۔" پایہ بولا۔

"میں رانی کے کمرے میں گیا اور وہاں میں نے راجہ کے منتری کو دیکھا۔ وہ اُس کے پاس بیٹھا تھا اور وہ دونوں باتیں کر رہے تھے۔

"وہ کیا کہہ رہے تھے، کیا کہہ رہے تھے؟۔" تینوں پائے اشتیاق سے بولے۔

"تم راجہ کو مرنے دو۔ منتری رانی سے کہہ رہا تھا۔ پھر ہم مزے سے ایک ساتھ رہیں گے --" تیسرے پائے نے واقعہ بتایا۔

"نہیں بابا!" میں ایسا نہیں کر سکتی۔" رانی بولی۔ منتری یہ سن کر بہت غصہ ہوا۔ اس نے رانی کے منہ پر تھپڑ مارا۔ اس کی انگلیوں کے لال نشان اب بھی رانی کے گال پر ہیں۔"

"کتنا خطرناک ہے یہ سب کچھ۔" تینوں پائے حیرت کرتے ہوئے بولے۔

راجہ نے سب پایوں کی باتیں بڑے دھیان سے سنیں۔ ان سب باتوں سے اسے بڑا غم ہوا۔ اس سے اب زیادہ برداشت نہیں ہوا۔ وہ اٹھ کر سیدھا رانی کے کمرے میں گیا۔ اس نے رانی کے گال پر لال نشان دیکھا۔

"تمھارے گال پر یہ کیا ہوا؟۔" اس نے پوچھا۔

رانی ڈر سے چونک اٹھی۔ "میرا گال۔" وہ بولی۔
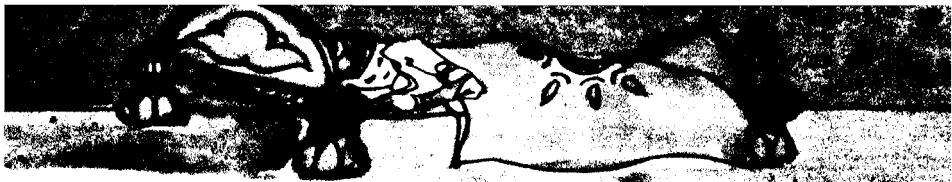
"ارے ہاں۔ میرے۔رے۔رے کھروپنچ لگ گئی تھی۔ راجہ نے اپنے سپاہیوں کو بُلایا اور انھیں منتری، خزانچی اور نوکرانیوں کو فوراً حاضر ہونے کا حکم دیا۔ اس نے منتری اور رانی کو تو جیل بھجوادیا۔ اور خزانچی اور نوکرانیوں کو سخت سزا دینے کا حکم دیا۔

راجہ اس آدمی کا بڑا شکر گزار تھا جس نے اُسے یہ پلنگ بیچا تھا۔ وہ اُسے انعام دینا چاہتا تھا، لیکن راجہ کو اس کا پتا معلوم نہیں تھا۔ راجہ نے سارے شہر میں اعلان کرادیا کہ پلنگ بیچنے والا نوجوان فوراً اس کے پاس آئے۔

نوجوان نے جب یہ اعلان سنا تو وہ ڈر گیا۔ اس نے سوچا کہ شاید اس کے پلنگ میں کوئی خرابی ہے۔ وہ ڈر کے مارے کہیں چُھپ گیا۔

آخرکار راجہ کے کچھ آدمیوں کو اس کا پتا چل گیا اور اس کو پکڑ کر راجہ کے پاس لے آئے۔

"تم نے اس عجیب و غریب پلنگ کو بیچ کر میری جان بچائی ہے۔"

راجہ اس سے پیار سے بولا۔ "میں تمھیں انعام دینا چاہتا ہوں۔ میں تمھیں بہت ساری زمین اور ایک گھر دوں گا۔"

نوجوان حیرت زدہ رہ گیا۔ بادشاہ کے دیئے ہوئے انعام کا اس نے شکریہ ادا کیا۔

وہ اور اس کی بیوی برسوں تک اس گھر میں سکھ چین سے رہے۔

رانی کا ٹیکس

ایک گاؤں میں بدّھو نام کا ایک شخص اپنی بیوی اور پانچ بچوں کے ساتھ رہتا تھا۔ اس کے پاس تھوڑی سی زمین تھی۔ جس کی پیداوار اس کے خاندان کے لیے ناکافی تھی۔ اُسے کھانے کی چیزیں باہر سے خریدنی پڑتی تھیں، جس کے لیے پیسہ چاہیے تھا۔ اس لیے اسے کام کرنا پڑتا تھا۔

ایک بار بہت دنوں تک اُسے کوئی کام نہ ملا۔ بدّھو کو فکر ہونے لگی کہ کہیں اس کے بچے بھوکوں نہ مر جائیں۔ اس نے اپنے رشتے داروں اور دوستوں سے اُدھار لینے کی کوشش کی، لیکن ان کے پاس بھی اُدھار دینے کے لیے پیسے نہیں تھے۔

ایک صبح بدّھو کی بیوی مسکراتی ہوئی اس کے پاس آئی۔

"پیٹھے بازار کے لیے تیار ہیں۔ پندرہ ہیں۔ ذرا سوچو۔ ان کو بیچنے کے بعد ہمارے پاس کتنے پیسے ہو جائیں گے۔"

"بہت اچھا۔" بدّھو نے کہا۔

دوسرے دن صبح ہوتے ہی بدّھو بازار کی طرف چل دیا۔ ایک بڑے ٹوکرے میں پندرہ پیٹھے

اس نے سر پر اٹھا رکھے تھے۔
بازار وہاں سے کافی دور تھا اس
لیے جب بدّھو وہاں پہنچا تو کافی تھک چکا تھا۔
ایک مناسب جگہ دیکھ کر اس نے ٹوکرا اتار
کر سامنے رکھا اور گاہکوں کا انتظار کرنے لگا۔

اتنے میں ایک موٹا تازہ آدمی اس کے پاس
آیا۔ اس کے ساتھ تین اور آدمی تھے جن
کے چہروں سے ہی مکاری ٹپک رہی تھی۔

''ایک پیٹھا مجھے دو۔'' وہ آدمی بولا۔

بدھو ایک کیا اُسے سارے پیٹھے بیچنے کو تیار تھا۔

''آپ اس کے مجھے کیا دام دیں گے؟'' بدّھو
نے پوچھا۔

''کیا دوں گا''؟ وہ آدمی چلّایا ''میں تمھیں ایک
کوڑی بھی نہیں دوں گا۔ ایک پیٹھا تو تمھیں
مجھے دینا ہی ہوگا کیوں کہ یہ راجہ کا ٹیکس
ہے۔

بدّھو نے اس آدمی اور اس کے ساتھیوں کی
طرف دیکھا۔ وہ سب جھگڑا کرنے کے لیے
تیار تھے۔ بدّھو جھگڑا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس
نے انھیں ایک پیٹھا دے کر وداع کیا۔ ان
کے جانے بعد بدّھو نے چین کی سانس لی۔
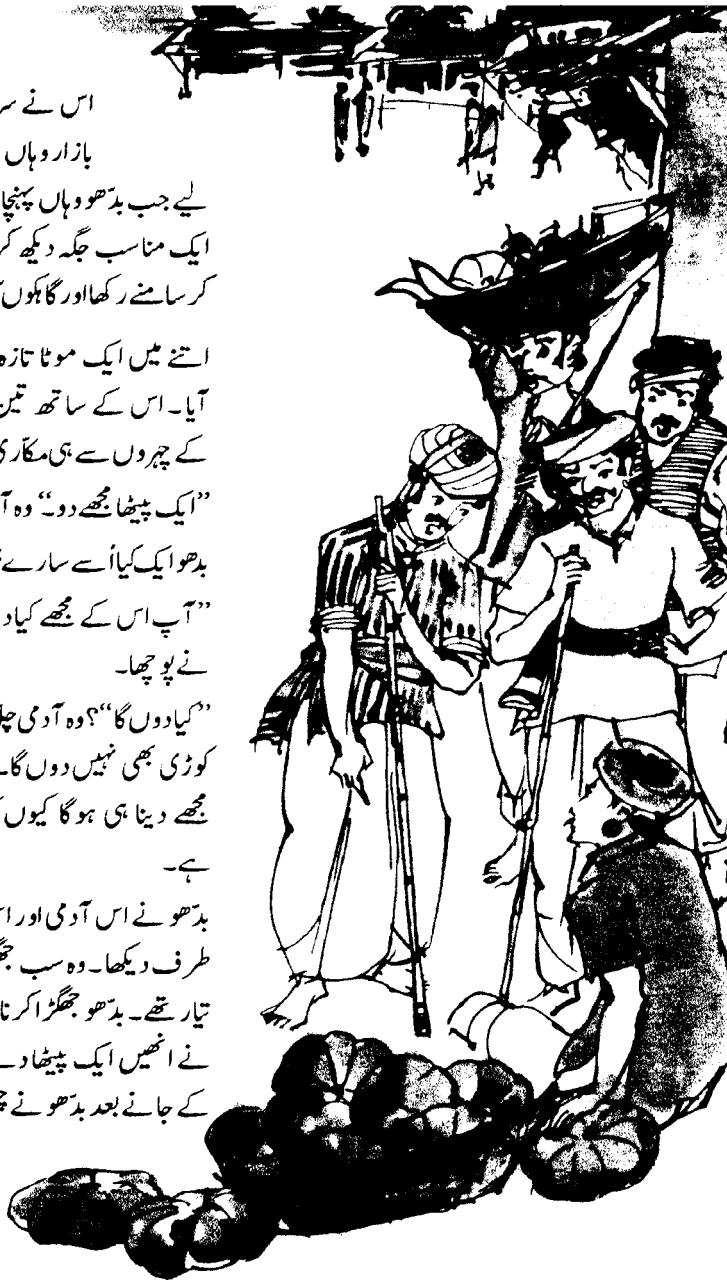
تھوڑی دیر بعد ایک دوسرا ٹیکس جمع کرنے والا وہاں آ پہنچا۔
کچھ مکّار لوگ اس کے ساتھ بھی تھے۔
"مجھے ایک پیٹھا دو۔ یہ سرکاری ٹیکس ہے۔" وہ چلّایا۔
بدھو نے اس آدمی اور اس کے ساتھیوں کو دیکھا۔ اس نے سوچا کہ ٹیکس دینے سے انکار کرنا خطرناک ہوگا۔ اس نے انھیں ایک پیٹھا دے دیا اور وہ سب چلے گئے۔
اتنے میں ایک تیسرا کر لینے والا آیا۔ بدّھو کو بڑا غصہ آرہا تھا۔ لیکن اس میں انکار کرنے کی بھی ہمّت نہیں تھی۔ وہ ان سب بدمعاشوں سے کیسے لڑ سکتا تھا؟ اس نے انھیں بھی ایک پیٹھا دے دیا۔
"چلو" جب وہ آدمی چلے گئے تو بدھو بڑبڑایا۔ "اب بھی میرے پاس بارہ پیٹھے ہیں۔ انھیں ہی بیچ لوں گا۔"
لیکن ایسا کب ہونا تھا۔
ایک کے بعد ایک ٹیکس جمع کرنے والے آتے گئے۔ ہر ایک کے ساتھ بدمعاش لوگوں کا ایک گروہ ہوتا۔
ایک ایک کر کے بدھوّ نے سارے پیٹھے ٹیکس جمع کرنے والوں کو دے دیئے۔
جب پندرہواں ٹیکس لینے والا چلا گیا تو بدھو کے پاس ایک بھی پیٹھا نہیں بچا تھا۔ اس کی ٹوکری خالی تھی۔
بے چارہ بدّھو کیا کرتا؟۔
اب وہ گھر لوٹنے کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتا تھا۔ بُدھو نے دھیرے دھیرے اُداس دل سے ٹوکری اٹھائی اور گھر چلنے کو تیار ہوا۔
لیکن۔ اچانک اس کے سامنے سولہواں ٹیکس جمع کرنے والا آکر کھڑا ہوگیا۔

"جلدی سے ٹیکس دو۔" وہ بولا۔

"میں کیسے دے سکتا ہوں؟" بدھو نے پوچھا۔

"اب تو میرے پاس کوئی پیٹھا ہی نہیں۔"

ٹیکس لینے والے اور اس کے ساتھیوں کو بڑا غصہ آیا۔

"تب تمھیں ہمارے ساتھ بازار کے حاکم کے پاس چلنا ہو گا۔"

چپ چاپ بدھو ان کے ساتھ چلتا رہا۔ وہاں پہنچ کر اس نے اپنی دکھ بھری کہانی بازار کے حاکم کو سنائی۔ ساری بات سننے کے بعد حاکم بولا "ٹیکس تو تمھیں دینا ہی پڑے گا۔ اگر تمھارے پاس پیٹھا یا پیسے نہیں ہیں تو ٹیکس کے عیوض میں ٹوکری یا پگڑی دے دو۔"

بدھو بے چارہ اپنے پیٹھے، ٹوکری اور پگڑی گنوا کر گھر پہنچا۔

بیوی اور بچے بڑی بے تابی سے اس کا انتظار کر رہے تھے کہ بازار سے وہ ان کے لیے کیا لے

کر آئے گا۔ بدھو نے ساری آپ بیتی ان کو سنائی۔

بدھو بہت اُداس اور غم گین ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کی بیوی بھی بڑی اُداس تھی۔ وہ کچھ دیر سوچ کر بولی۔ "میری سمجھ میں آیا کہ کیا کرنا چاہیے۔"

"کیا؟" بدھو نے پوچھا۔

"ابھی دیکھو۔" اس کی بیوی نے جواب دیا۔ "کل صبح ذرا جلدی اٹھ کر بازار جانے کے لیے تیار ہو جانا۔"

یہ کہہ کر وہ باہر گئی اور گاؤں کے چھ بدمعاشوں کو دوسرے دن اپنے شوہر کے ساتھ جانے کے لیے کہہ آئی۔ بدھو کی بیوی نے اسے ایسے کپڑے پہنائے جن سے وہ راجکمار سا دکھائی دینے لگا۔ اس کے سر پر اس نے مور پنکھ لگی ایک بڑی سی پگڑی لگا دی۔

جب گاؤں کے چھ لوگ بھی آگئے تو اس نے سب کو سمجھایا کہ انھیں کیا کرنا ہے۔ تب سب کو اس نے بازار روانہ کر دیا۔ بدھو اور اس کے ساتھی جلد ہی بازار جا پہنچے۔

بڑی ہمّت سے اس نے پہلے دوکاندار کے پاس جاکر رانی کے نام پر ٹیکس مانگا۔ اس دوکاندار کو بھی پہلے سولہ ٹیکس جمع کرنے والوں نے تنگ کیا تھا۔ وہ غصّے سے چلّا اٹھایا۔

"یہ کون سا نیا ٹیکس ہے۔ میں یہ ٹیکس نہیں دے سکتا۔"

بدھو کے ساتھیوں نے لاٹھیاں اٹھالیں۔

"گستاخ آدمی! تم نہیں جانتے؟" بدھو بولا "کہ میں رانی کا چچیرا بھائی ہوں۔ جلدی سے ٹیکس دو۔ نہیں تو میرے دوست تمھیں سمجھ لیں گے۔"

دوکاندار بے چارہ ڈر گیا۔ اس نے جلدی سے ٹیکس دے دیا۔ بدھو اب اگلی دوکان پر گیا۔ وہاں بھی اس نے اپنا پارٹ بڑی خوبی سے نبھایا اور ٹیکس اکٹھا کیا۔ اگر کوئی اعتراض کرتا تو وہ کہتا کہ وہ رانی کا بھائی ہے۔ بدھو نے جب سب دوکانداروں سے کر لے لیا تو وہ گھر لوٹا۔ جتنا پیسہ ملا تھا اُسے بدھو اور اس کے ساتھیوں نے بانٹ لیا۔

بدھو اب ہر روز ٹیکس اکٹھا کرنے لگا۔ اس کی غریبی دور ہو گئی۔ لیکن سب دوکانداروں کا بُرا حال تھا۔ وہ غم گین اور فکر مند تھے۔

سارے دوکاندار جمع ہوئے اور انھوں نے آپس میں صلاح مشورہ کیا کہ ٹیکسوں سے چھٹی پانے کے لیے کیا کیا جائے۔ آخر میں انھوں نے اپنی شکایت راجہ کے پاس لے جانے کا فیصلہ کیا۔

راجہ ان سے اچھی طرح ملا اور ان کی بات پوری توجہ سنی۔ اس نے تب بدھو کو بلایا۔

"تم نے رانی کے نام سے ٹیکس اکٹھا کرنے کی ہمّت کیسے کی؟"

راجہ نے بدھو سے پوچھا "رانی کہاں سے آئے گی۔ جب ابھی تک میری شادی بھی نہیں ہوئی۔"

"معاف کیجیے مہاراج!" بدھو نے جواب دیا "مجھے ایسا کرنے کے لیے میری بیوی نے کہا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ صرف اسی طریقے سے ہم بھوکوں مرنے سے بچ سکتے ہیں۔"

بدّھو نے تب اپنے پندرہ پیٹھوں کی کہانی سنائی۔ راجہ نے کچھ دیر سوچ کر اعلان کرا دیا کہ سارے ٹیکس معاف کیے جاتے ہیں سوائے ایک ٹیکس کے جو سرکار کے لیے ہوگا۔ بدھو کا تقرر راجا نے امین کے طور پر کر دیا۔

"لیکن۔" وہ بولا "تم اس ٹیکس کے پیسے میں سے اپنے لیے کچھ بھی نہیں لے سکتے۔ سارا جمع کی ہوئی رقم راجہ کے خزانے میں جمع کرانی ہوگی۔ تمھیں اس کام کے لیے ہر ماہ ایک اچھی خاصی تنخواہ ملے گی۔"

اس دن سے بدّھو اپنی بیوی بچوں کے ساتھ آرام کی زندگی گزارنے لگا۔

نمک کی مٹھاس

کسی زمانے میں ایک راجہ تھا۔ اس راجہ کو اپنے آپ پر بڑا غرور تھا۔ وہ ہمیشہ اپنی پُرکشش شخصیت، اپنی عقل مندی، اپنی کامیابی اور بڑا حکمراں ہونے کی باتیں کرتا۔ وہ چاہتا تھا اس کے قریب کے لوگ اس کی ہر بات پر یقین کریں اور اس کی تعریفوں کے پل باندھیں۔ اُسے ایسے لوگ زیادہ پسند تھے، جو اس کی ہر وقت تعریف کرتے رہیں۔ وہ ہمیشہ اپنے مُنہ چڑھے اور خوشامدی لوگوں کی صحبت میں رہتا۔

راجہ کے تین لڑکیاں تھیں۔ ایک دن اس نے اپنے طور پر ان کی محبت کا امتحان لینا چاہا۔ اس نے انھیں اپنے پاس بلایا۔

''میری پیاری بچیو''! وہ بولا۔ ''لوگ کہتے ہیں کہ میں ایک بڑا راجہ ہوں۔ وہ مجھے پیار بھی کرتے ہیں اور میرا اتنا احترام بھی کرتے ہیں کہ میرے لیے اپنی جان بھی قربان کرنے کو تیار ہیں۔ وہ ہر وقت میری تعریف کے گیت گاتے رہتے ہیں۔ لیکن میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ میری اپنی لڑکیاں میرے بارے میں کیا رائے رکھتی ہیں؟ اب تم مجھے بتاؤ کہ تم مجھے کتنا اور کس طرح کا پیار کرتی ہو؟''

پہلے وہ اپنی سب سے بڑی لڑکی کی طرف مڑا۔ اس کا جواب جاننے کے لیے۔

''ابّا جان! میں آپ کو بہت پیار کرتی ہوں'' وہ بولی ''میرا پیار آسمان کی طرح وسیع اور سونے کی طرح صاف ہے۔''

یہ سن کر راجہ بہت خوش ہوا۔ تب اس نے اپنی دوسری لڑکی سے پوچھا۔ وہ کیا کہتی ہے؟

"ابّا جی! میں آپ کو بہت پیار کرتی ہوں۔"
دوسری لڑکی نے جواب دیا۔

"آپ کے لیے میرا پیار سمندر کی طرح وسیع اور جواہرات کی طرح قیمتی ہے۔"

راجہ مسرّت سے ہنس پڑا۔ تب اس نے اپنی سب سے چھوٹی بیٹی کی طرف دیکھا۔

"تم کیا کہتی ہو؟" اس نے پوچھا۔ "تم مجھے کتنا پیار کرتی ہو؟"

تیسری لڑکی بڑی شرمیلی تھی۔ وہ اپنے باپ کے سوال کا جواب نہیں دے سکی۔ راجہ اس سے بار بار پوچھنے لگا کہ شاید وہ اپنی بہنوں سے بہتر جواب دے۔

"محترم ابّا جان" آخر میں چھوٹی لڑکی نے جواب دیا۔

"میرا پیار ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک بیٹی کا اپنے باپ کے لیے ہوتا ہے۔"

"لیکن، پھر بھی تم مجھے کتنا پیار کرتی ہو؟"
راجہ نے پھر سوال کیا۔
"تمھارا پیار کس طرح کا ہے؟"

تیسری بیٹی سوچنے لگی اور بولی "ابا جی! میں اتنا ہی کہہ سکتی ہوں کہ میں آپ کو اتنا ہی پیار کرتی ہو جتنا کہ آپ اور میں نمک کو کرتے ہیں۔"

"کیا؟" راجہ کڑک کر بولا۔ "تم مجھے صرف معمولی نمک کے برابر پیار کرتی ہو؟"

"ہاں۔ ابا جی!" اس نے جواب دیا۔

"تم نے یہ کہنے کی ہمت کیسے کی کہ تم مجھے معمولی نمک کے برابر پیار کرتی ہو۔ کیا میں اتنا سستا ہوں۔ تم فوراً اپنے الفاظ واپس لو۔ نہیں تو تمھارے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔"

"لیکن ابا حضور!" راجکماری بولی "اس سے بہتر اور الفاظ میرے پاس نہیں ہیں، جن سے میں اپنا پیار ظاہر کر سکوں۔"

راجہ غصے سے لال پیلا ہو گیا۔ "میری اس طرح بے عزّتی کرنے کا نتیجہ تم بھگتو گی۔"

اس دن کے بعد راجہ نے اپنی چھوٹی بیٹی سے سارے رشتے توڑ لیے۔ وہ اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا تھا۔

وقت گزرتا گیا۔ راجہ نے اپنی دونوں بڑی بیٹیوں کی شادی دو راجاؤں کے ساتھ کر دی اور انھیں بہت سارا جہیز بھی دیا۔

تیسری لڑکی اب اکیلی رہ گئی۔ رانی نے ایک دن چھوٹی لڑکی کی شادی کرنے کو راجہ سے کہا۔

"اس بے وقوف لڑکی کی شادی۔" راجہ بولا "ذرا رُکو اور دیکھو۔ اس کی شادی میں کس طرح کرتا ہوں۔"

راجہ نے باہر سڑک پر دیکھا۔ وہاں اُسے ایک فقیر دکھائی دیا۔ راجہ نے اُسے اندر بلوایا۔

"تم کون ہو؟" راجہ نے پوچھا۔ "سڑک پر تم کیا کر رہے ہو؟"

"میں کھانے کے لیے بھیک مانگ رہا ہوں۔"

فقیر نے جواب دیا۔ "کئی دنوں نے سے مجھے کوئی کام نہیں ملا ہے۔"

"تم فقیر ہو۔ یہ بڑا اچھا ہے۔" راجہ بولا۔

"میں تمھاری شادی ایک راجکماری سے کروں گا۔ تب تم دونوں اکھٹے بھیک مانگ سکتے ہو۔"

راجہ نے اپنی چھوٹی لڑکی کی شادی اس فقیر کے ساتھ کر کے رخصت کر دیا۔ راجکماری نے اپنی سزا ایک لفظ کہے بغیر قبول کر لی۔ اپنی حالت پر اُسے ذرا بھی افسوس نہیں ہوا۔ وہ جانتی تھی کہ اب وہ راجکماری نہیں ہے۔ نہ اس کے پاس اب دولت ہے اور نہ مرتبہ۔ جو کچھ تھا وہ صرف شوہر کی شکل میں تھا، ایک فقیر۔

لیکن وہ ایک بہادر لڑکی تھی اور کسی بھی حالت اور مصیبت کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہتی تھی۔
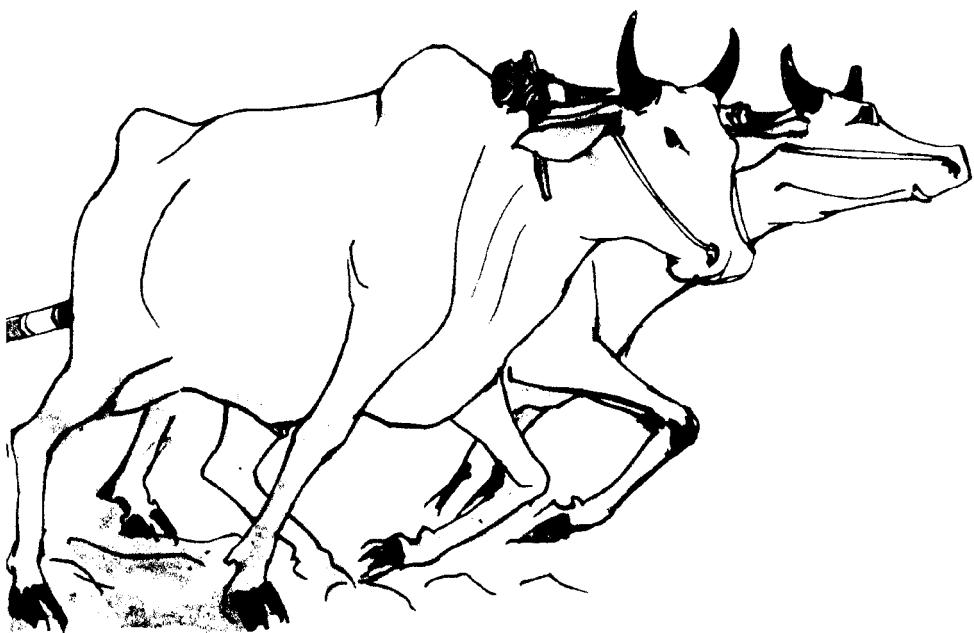
سب سے پہلے وہ اپنے شوہر کے بارے میں جاننا چاہتی تھی کہ وہ کون ہے۔ شوہر نے بتایا کہ حقیقت میں وہ کوئی فقیر نہیں ہے۔ وہ اس شہر میں نیا تھا اور کام کی تلاش میں تھا۔ جب اُسے کوئی کام نہیں ملا تو مجبور ہو کر اسے ایک دن کھانے کے لیے بھیک مانگنی پڑی۔ اُسی وقت راجہ نے اسے پکڑوالیا۔

نوجوان بڑا حوصلہ مند تھا۔ ایک بہادر اور سمجھ دار لڑکی کو اپنی بیوی کے طور پر پاکر اپنی حالت کو سُدھارنے کے لیے وہ کسی بھی مصیبت سے ٹکر لینے کو تیار تھا۔ نوجوان اور اس کی بیوی شہر سے کافی دور ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں رہنے لگے۔ راجکماری کچھ زیورات پہنے ہوئے تھے اس نے انھیں بیچ دیا اور ان روپیوں سے ایک نئی زندگی کا آغاز کیا۔

کچھ ہی سالوں میں انھوں نے اتنا روپیہ جمع کرلیا کہ کھیتی کے لیے زمین خریدلی۔ رفتہ رفتہ وہ امیر اور خوشحال ہوتے گئے۔ کچھ عرصے بعد انھوں نے اپنا مکان بنوالیا۔ لیکن ابھی وہ مکمل طور پر مطمئن نہیں تھے۔ انھوں نے اپنی محنت

اور لگن کو اسی طرح بر قرار رکھا۔ کچھ دنوں میں ان کے پاس اور زیادہ زمین اور بڑے بڑے مکان ہو گئے۔

اب انھوں نے اپنے لیے ایک بڑا محل بنوایا۔ اور اس میں راجہ کی طرح بڑی شان اور آرام سے رہنے لگے۔

اس وقت ان کی سماجی حیثیت کافی بلند ہو گئی تھی۔ وہ اپنے گھر پر شہر کے مشہور اور اہم لوگوں کو مدعو کرنے لگے۔

ایک دن انھوں نے راجکماری کے والد، راجہ کو بھی اپنے یہاں کھانے پر مدعو کیا۔ راجہ نے دعوت قبول کر لی مگر وہ اس بات سے لاعلم تھا کہ وہ اپنی بیٹی کے یہاں ہی کھانے پر جا رہا ہے۔

دعوت کا بڑا اہتمام کیا گیا تھا۔ راجہ اور دوسرے مہمان اس کو دیکھ کر بڑے متاثر ہوئے۔ میزبان اور اس کی بیوی اپنے مہمانوں کی دیکھ بھال بڑے مہذّب اور خوبصورت طریقے سے کر رہے تھے۔ جیسے ہی راجکماری اپنے باپ کے نزدیک پہنچی اس نے اپنا گھونگھٹ نیچا کر لیا اور پھر انھیں کھانے کے لیے تشریف رکھنے کو کہا۔

راجہ کھانے کے لیے بیٹھ گیا۔ سونے کے برتنوں میں مختلف قسم کے لوازمات اس کے سامنے رکھ دیئے گئے۔ راجہ کو بھوک لگ رہی تھی۔ اس نے ایک کٹوری میں سے ایک لقمہ کھایا۔ اُسے بڑا تعجب ہوا جب اس نے محسوس کیا کہ کھانے میں نمک نہیں ہے۔ اس نے دوسرے برتن میں سے سبزی چکھی۔ وہ بھی بِنا نمک کے تھی۔ اس طرح اُس نے تمام برتنوں سے تھوڑا تھوڑا کھانا چکھا۔ لیکن کسی میں بھی نمک نہیں تھا۔

راجہ کو بڑا غصہّ آیا۔ اس نے اپنے چاروں طرف نااُمیدی سے دیکھا۔ لیکن باقی تمام مہمان بڑے مزے سے کھانے کا لطف لے رہے تھے۔ گھونگھٹ نکالے راجکماری پھر راجہ کے

نزدیک آئی۔

"مہاراج۔" اس نے بڑے میٹھے لہجے میں پوچھا۔

"کیا آپ کو ہمارے یہاں کا کھانا اچھا نہیں لگا؟"

"تمھارا کھانا اچھا لگا؟" راجہ گرجا "ایسا کھانا میرے سامنے رکھنے کی تمھاری ہمت کیسے ہوئی؟ یہ کھانا بنا نمک کے پکایا گیا ہے۔" "تم نے مجھے ایسے کھانے پر بلا کر میری بے عزّتی کی ہے۔"

راجکماری نے فوراً اپنا گھونگھٹ الٹ دیا۔

"تو آپ کو نمک اچھا لگتا ہے۔" وہ بولی۔ "آپ کو نمک بہت پسند ہے۔ بے شک آپ کے لیے وہ سونے اور جواہرات سے قیمتی ہے۔"

راجہ نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ حیران ہو کر سوچنے لگا کہ یہ کون ہے۔

اچانک وہ اس کو پہچان گیا۔ ارے یہ تو اس کی سب سے چھوٹی تیسری لڑکی ہے۔ وہ کچھ نہ کہہ سکا۔ پہلی مرتبہ اُسے احساس ہوا کہ آدمی کے لیے سستا اور معمولی نمک سونے اور جواہرات سے کہیں زیادہ قیمتی اور فائدہ مند ہے۔

"میری بچّی"! راجہ نے راجکماری کو پیار کرتے ہوئے کہا۔

"میری بے وقوفی کے لیے مجھے معاف کر دو۔"

چھوٹی لڑکی کے ساتھ کیے ہوئے اپنے پچھلے سلوک پر راجہ بڑا شرمندہ تھا۔ اب وہ اپنی غلطی کی اصلاح کرنا چاہتا تھا۔ اس نے چھوٹی راجکماری اور اس کے شوہر کو اپنا راج دے دیا اور پھر وہ سب مزے کے ساتھ رہنے لگے۔

راجہ اور توتا
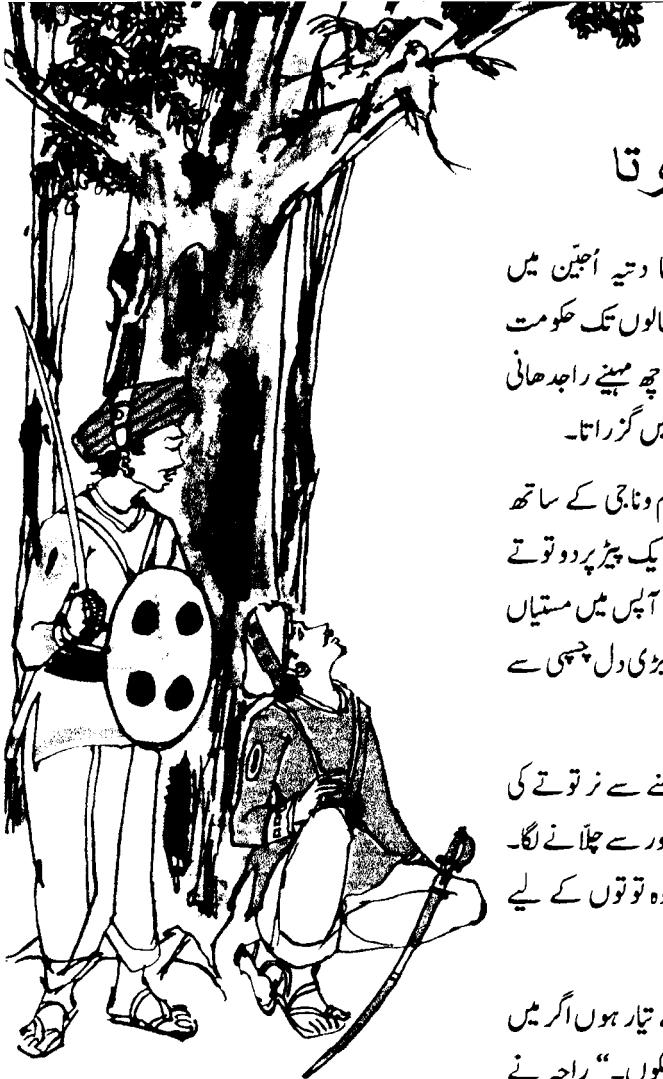
بہت عرصہ گزرا ،راجہ وکرما دتیہ اُجین میں حکومت کرتا تھا۔ اس نے کئی سالوں تک حکومت کی۔ اپنے دورِ حکومت میں وہ چھ مہینے راجدھانی میں رہتا اور باقی چھ مہینے جنگل میں گزراتا۔

ایک مرتبہ جب وہ اپنے ملازم وناجی کے ساتھ جنگل میں رہ رہا تھا۔ تو اس نے ایک پیڑ پر دو توتے دیکھے۔ وہ بڑے خوش تھے اور آپس میں مستیاں کر رہے تھے۔ راجہ وکرمادتیہ بڑی دل چسپی سے انھیں دیکھتا رہا۔

اچانک ایک شکاری کے تیر لگنے سے نر توتے کی موت ہو گئی۔ دوسرا توتا زور زور سے چلّانے لگا۔ راجہ کو یہ سب بہت بُرا لگا۔ وہ توتوں کے لیے بہت افسردہ تھا۔

"میں کچھ بھی کرنے کے لیے تیار ہوں اگر میں پھر سے انھیں خوش دیکھ سکوں۔" راجہ نے وناجی سے کہا۔
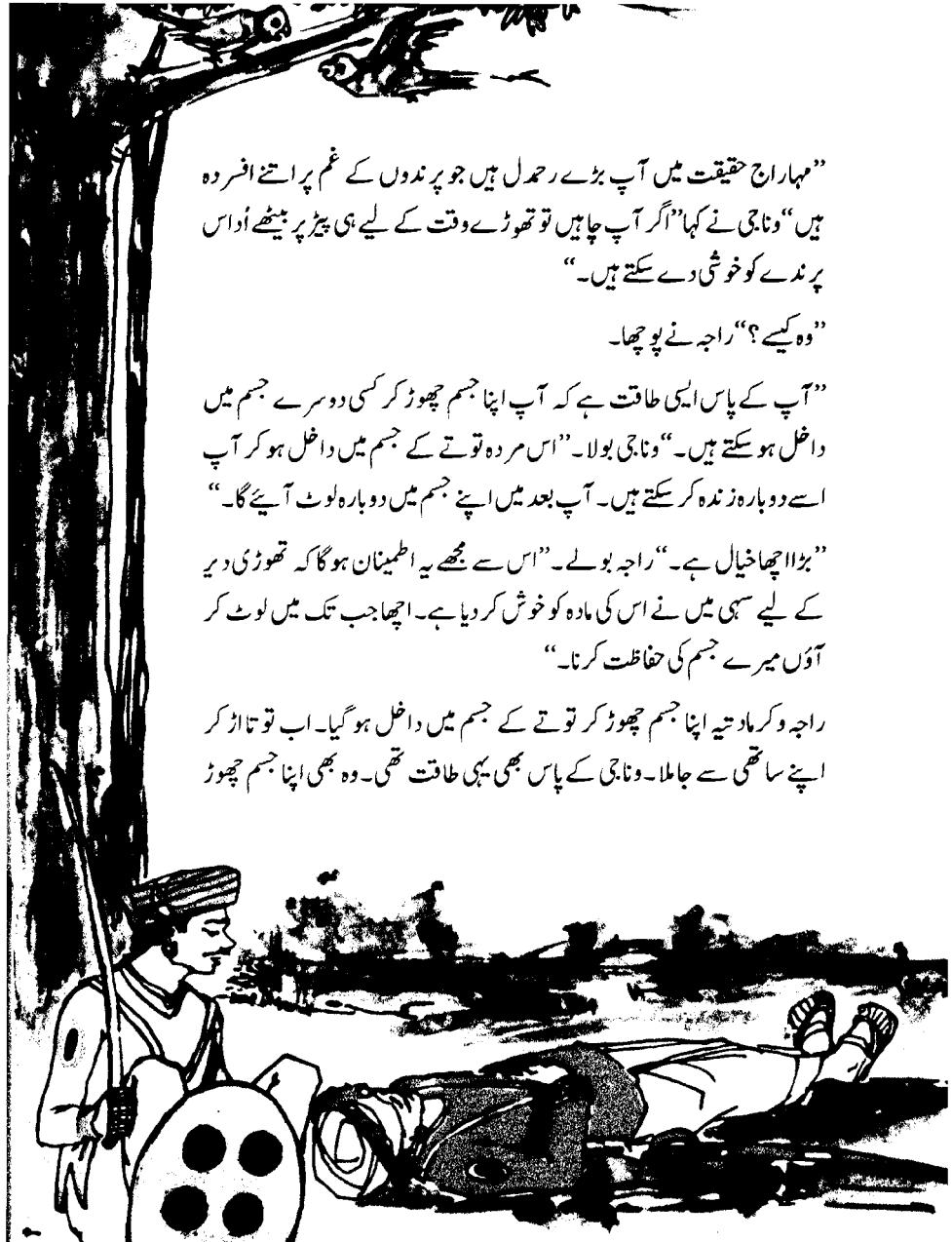
"مہاراج حقیقت میں آپ بڑے رحمدل ہیں جو پرندوں کے غم پر اتنے افسردہ ہیں" وناجی نے کہا "اگر آپ چاہیں تو تھوڑے وقت کے لیے ہی پیڑ پر بیٹھے اُداس پرندے کو خوشی دے سکتے ہیں۔"

"وہ کیسے؟" راجہ نے پوچھا۔

"آپ کے پاس ایسی طاقت ہے کہ آپ اپنا جسم چھوڑ کر کسی دوسرے جسم میں داخل ہو سکتے ہیں۔" وناجی بولا۔ "اس مردہ توتے کے جسم میں داخل ہو کر آپ اسے دوبارہ زندہ کر سکتے ہیں۔ آپ بعد میں اپنے جسم میں دوبارہ لوٹ آیئے گا۔"

"بڑا اچھا خیال ہے۔" راجہ بولے۔ "اس سے مجھے یہ اطمینان ہو گا کہ تھوڑی دیر کے لیے سہی میں نے اس کی مادہ کو خوش کر دیا ہے۔ اچھا جب تک میں لوٹ کر آؤں میرے جسم کی حفاظت کرنا۔"

راجہ وکرمادتیہ اپنا جسم چھوڑ کر توتے کے جسم میں داخل ہو گیا۔ اب توتا اڑ کر اپنے ساتھی سے جاملا۔ وناجی کے پاس بھی یہی طاقت تھی۔ وہ بھی اپنا جسم چھوڑ

کر دوسرے جسم میں داخل ہو سکتا تھا۔ وہ بیٹھا ہوا راجہ وکرمادتیہ کے بے جان جسم کو دیکھ رہا تھا۔ اُسے ایک خیال آیا۔ چلو میں بھی تھوڑی دیر کے لیے راجہ کے جسم میں داخل ہو کر دیکھوں کہ راجہ بن کر آدمی کیسا محسوس کرتا ہے۔

وناجی نے اپنا جسم چھوڑا اور راجہ کے جسم میں داخل ہو گیا۔ اُسے بڑے لطف کا احساس ہوا۔ وہ واقعی بہت بڑا راجہ ہے۔ پھر اُسے خیال آیا کہ اگر وہ راجاؤں جیسا برتاؤ کر سکے تو اسی جسم میں رہ سکتا ہے۔

وناجی بڑا چالاک آدمی تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ راجہ اپنے روزمرّہ کے کام کیسے کرتا ہے۔ لالچ اور خود غرضی نے اس کی نیت کو بدل دیا۔ اس نے راجہ وکرمادتیہ کے جسم میں رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے اپنے جسم کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے بہت ساری لکڑیاں جمع کیں اور انھیں آگ لگا کر اپنے جسم کو اس پر پھینک دیا۔ اس کے بعد وہ راجدھانی اُجین کی طرف چل دیا۔

راجہ کے وزیر بھائی کو بڑا تعجب ہوا جب اس نے راجہ کو طے شدہ پروگرام سے پہلے آتے دیکھا۔ اس نے اس کی وجہ جاننا چاہی۔

بناوٹی راجہ نے اپنا کردار بڑی خوبی سے نبھایا۔ لیکن بھائی بھی کم چالاک نہ تھا۔ بھائی نے محسوس کر ہی لیا کہ کئی چھوٹی چھوٹی باتیں جو وہ راجہ میں دیکھا کرتا تھا اب دکھائی نہیں دے رہی ہیں۔

جیسے جیسے اس نے راجہ کی حرکات کا مشاہدہ کیا اس کا شک یقین میں بدلتا چلا گیا۔ اس نے سوچا دال میں ضرور کچھ کالا ہے۔

بھائی نے اپنے شک کا اظہار رانی سے کیا۔ اس نے اس فریبی کی پوری نگرانی کی اور اسے محل

میں پوری طرح کی آزادی نہ دی۔

تب بھائی نے چاروں طرف جاسوسوں کو دوڑایا تاکہ وہ اصلیت کا پتا لگا سکیں۔ اُدھر راجا وکرمادتیہ توتے کا جسم چھوڑ کر اپنے جسم میں آنا چاہتے تھے۔ جب وہ اس مقام پر گئے جہاں انھوں نے اپنا جسم چھوڑا تھا تو اُنھیں بڑا افسوس ہوا۔ وہاں اُن کا جسم موجود نہیں تھا۔ وناجی بھی وہاں سے چلا گیا تھا۔ راجہ بڑا پریشان ہوا۔ وہ اب کیا کرے؟ اس نے اِدھر اُدھر اڑ کر اپنے جسم اور وناجی کو تلاش کرنا چاہا۔ اُسے کچھ دور پر آگ جلتی ہوئی دکھائی دی۔ نزدیک جانے پر معلوم ہوا کہ اس میں وناجی کا جسم جل رہاہے اب راجہ ساری بات سمجھ گیا۔ وناجی نے اس کے ساتھ دھوکا کیا ہے۔ اب راجہ کو توتے کے شکل میں ہی رہنا تھا۔

کچھ دن بعد توتے کو ایک شکاری نے پکڑ کر ایک مالدار آدمی کو فروخت کردیا۔ وہ آدمی توتے کو پاکر بہت خوش تھا کیوں کہ توتا انسانوں کی طرح بول سکتا تھا۔

اس امیر آدمی کو ایک خواب دکھائی دیا کہ وہ اپران جی نامی ایک مشہور رقاصہ کا ناچ دیکھنے گیا ہے۔ خواب کی بات اس نے کئی لوگوں سے کی۔ ہوتے ہوتے یہ بات اپران جی تک جا پہنچی۔

رقاصہ کو بڑا غصہ آیا کہ کوئی بغیر پیسہ خرچ کیے اس کے ناچ سے لطف اٹھائے۔ اس نے اس مالدار آدمی سے ایک سو مہروں کی بات کہی بیوپاری نے مُہریں دینے سے انکار کر دیا۔ اپران جی نے سارا معاملہ کچہری میں پیش کر دیا۔

تاجر کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے؟ تو تا بولا کہ میں اس معاملے میں وکیل کا کام انجام دوں گا۔ اس نے تاجر کو کچہری جانے کا مشورہ دیا اور کہا کہ ساتھ میں سو مُہریں اور ایک آئینہ بھی لے جائے۔

کچہری میں معاملہ پیش ہوا۔ تاجر اور اپران جی دونوں حاضر تھے۔ اپران جی نے بڑی گرمی سے اپنی اُجرت کا مطالبہ کیا۔

توتے نے بیوپاری سے کہا کہ مُہریں جج صاحب کے سامنے رکھ دے۔

''اور۔'' تو تا بولا۔ ''مہروں کے پیچھے شیشہ بھی رکھ دے۔''

مہروں کو دیکھ کر اپران جی انھیں اٹھانے کے لیے آگے بڑھی۔

''رکو'' تو تا چلّایا۔ ''تمھارے دعوے کی بنیاد ایک خواب ہے۔ جس کا مزہ تاجر نے سوتے ہوئے لیا ہے۔ تم بھی ان مہروں کا مزہ آئینہ میں دیکھ کر لے سکتی ہو۔''

جج صاحب توتے کی بات سے متفق ہوئے۔

اپران جی کو ایک پرندہ کے ہاتھوں شکست کھانے پر بڑا غصہ آیا۔

اس عقل مند توتے کی اطلاع بھائی کو بھی پہنچی۔ فوراً وہ توتے کو دیکھنے کے لیے چل پڑا۔

توتے کو دیکھتے ہی بھائی فوراً سمجھ گیا کہ یہ راجہ وکرمادتیہ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔

بھائی توتے کو اُجین لے آیا۔ وہاں اس نے توتے کو ایک کمرے میں چھپا کر رکھا۔ بھائی اور توتے میں مشورہ ہوا کہ وناجی سے راجہ کا جسم دوبارہ کس طرح حاصل کیا جائے۔

ابھی تک دغاباز وناجی رانی سے ملنے نہیں پایا تھا۔ رانی سے ملنے کی اس نے بہت کوشش کی، لیکن رانی ہمیشہ کوئی نہ کوئی بہانہ بنادیتیں۔ اب اُسے یہ خبر بھجوادی گئی کہ رانی اس سے نہیں مل سکتیں کیوں کہ رانی کا پیارا توتا مر گیا ہے۔

وناجی رانی کی نظروں میں اچھا بننا چاہتا تھا۔ رانی کو خوش کرنے کے لیے وہ تھوڑی دیر کے لیے مردہ توتے کو زندہ کرنے کے لیے تیار ہوگیا۔ رانی نے اس پیش کش کو

قبول کر لیا۔ وناجی وکرمادتیہ کا جسم چھوڑ کر توتے کے جسم میں داخل ہو گیا اور اڑ کر رانی کے پاس پہنچا۔

اسی لمحہ راجہ وکرمادتیہ بھی اپنے جسم میں داخل ہو گیا۔ بھائی نے رانی کو اطلاع دی کہ اب راجہ اصل راجہ ہے۔ راجہ اور رانی ایک دوسرے کو پا کر بہت خوش ہوئے۔

وناجی کو توتے کی شکل میں ہی رہنا پڑا، اس لیے وہ وہاں سے اڑ گیا۔

ناگ رائے

کشمیر میں ایک گھنا جنگل تھا۔ اس کے بیچوں بیچ ایک ندی بہتی تھی۔ ندی کے اندر بہت گہرائی میں ایک راستہ سانپوں کے راج کو جاتا تھا۔ ان سانپوں کے پاس خدا کی دی طاقت تھی۔

ناگ راجہ کے بہت سے بچّے تھے۔ سب سے بڑا راجکمار بہت عقل مند اور پڑھا لکھا تھا۔ اس نے ندی کے اوپر کی دنیا کے بارے میں، جہاں انسان رہتے تھے، بہت کچھ سنا تھا۔ اس کی بڑی خواہش تھی کہ باہر کی دنیا اور وہاں کے لوگوں کو دیکھے مگر، اس کے باپ باہر نہیں جانے دیتے تھے۔

کئی مرتبہ ناگ راجہ، ان کا خاندان اور ان کے نوکر آدمی کی شکل بدل کر ندی کے باہر جنگل میں رات گزارنے آتے ۔ وہاں پر وہ ناچتے گاتے

کھاتے پیتے اور پھر دن نکلنے سے پہلے اپنے گھر لوٹ جاتے۔

راجہ کو اُمید تھی کہ اس طرح سے راجکمار کا تجس ختم ہو جائے گا لیکن اس طرح کے مشاہدے راجکمار کو مطمئن نہ کر سکے۔ وہ دنیا کو دیکھنا چاہتا تھا اور اصلی انسانوں سے ملنا چاہتا تھا۔

ایک دن وہ اکیلا ہی پاتال لوک سے باہر نکل آیا اور جنگل میں اِدھر اُدھر گھومتا رہا۔

اس وقت سودھ رام نام کا ایک برہمن اُدھر سے گزر رہا تھا۔ اس کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ وہ یہ سفر اولاد کی اُمید میں ہی کر رہا تھا۔

ناگ راجکمار نے سودھ رام کو ایک پیڑ کے نیچے بیٹھے دیکھا۔ برہمن اونچی آواز میں بچّے کے لیے ایشور سے پرارتھنا کر رہا تھا۔ راجکمار اس کے پاس جاکر بولا۔ "مجھے گھر لے چلو۔ میں تمھارا بیٹا بن کر رہوں گا۔"

"میرا بیٹا؟" سودھ رام چلا کر بولا۔ "لیکن تم تو سانپ ہو۔"

"ہاں۔ ہاں" ناگ راج کمار بولا۔ "ابھی تو

میں سانپ ہوں۔ لیکن اگر تم مجھے اپنے گھر لے چلو گے تو میں بچّہ بن جاؤں گا۔"

سودھ رام نے اس بات پر غور کیا اور آخر میں اُسے اپنے گھر لے جانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے سانپ کو اپنے تھیلے میں رکھ لیا۔

جیسے ہی وہ گھر پہنچا۔ اس نے تھیلا ایک کمرے میں رکھ کر اپنی بیوی کو بلایا۔

"میں تمھارے لیے ایک بیٹا لایا ہوں۔" وہ بولا "اس کمرے میں ہے وہ۔ اندر جا کر دیکھو۔"

اس کی بیوی کمرے میں گئی اور وہاں پر ایک نو دس سال کے خوبصورت بچّے کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"ہمارے اوپر ایشور نے دَیا کی۔" سودھ رام کی بیوی بولی۔

"تمھاری یاترا کامیاب ہوئی۔"

سودھ رام نے کمرے میں جھانک کر دیکھا۔ وہ بہت خوش ہوا کہ سانپ کی بات سچ نکلی۔

"پتاجی! میں آپ کا بیٹا ہوں" بچہ بولا۔ "میرے اوپر اپنی کرپا کیجیے۔ اور پیار کرتے رہیے۔

سودھ رام اور اس کی بیوی ایک خوبصورت اور ذہین بچّے کو پا کر بہت خوش ہوئے۔ اس کا نام انھوں نے ناگ رائے رکھا اور اس کی پرورش بڑی ہوشیاری اور احتیاط سے کرنے لگے۔

گاؤں کے تمام لوگ بچّے کو بہت پیار کرتے تھے۔ وہ اس کو مٹھائی اور تحفے بھی دیتے۔

بچّہ وقت کے ساتھ ساتھ ایک خوبصورت اور طاقت ور نوجوان بن گیا۔
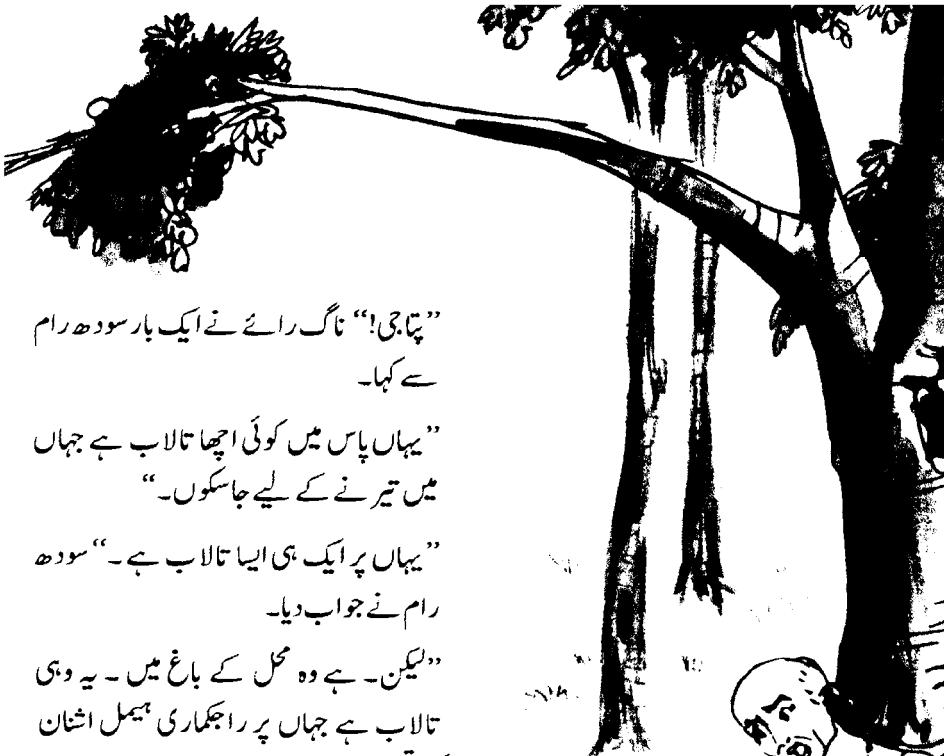
"پتا جی!" ناگ رائے نے ایک بار سودھ رام سے کہا۔

"یہاں پاس میں کوئی اچھا تالاب ہے جہاں میں تیرنے کے لیے جاسکوں۔"

"یہاں پر ایک ہی ایسا تالاب ہے۔" سودھ رام نے جواب دیا۔

"لیکن۔ ہے وہ محل کے باغ میں۔ یہ وہی تالاب ہے جہاں پر راجکماری ہیمل اشنان کرتی ہے۔"

"اس تالاب کا راستہ مجھے دکھا دیجیے۔" ناگ رائے بولے۔

"تم وہاں نہیں جاسکتے ہو۔" سودھ رام نے جواب دیا۔

"محل کے دروازے کا چوکیدار تمھیں اندر نہیں جانے دے گا۔"

"وہ سب انتظام میں کرلوں گا۔" ناگ رائے بولا۔

سودھ رام ناگ رائے کو محل کے دروازے تک لے گیا۔

"تالاب ان دیواروں کے اندر ہے۔"

ناگ رائے دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا اس مقام تک پہنچا جہاں نالی کے ذریعہ پانی باہر گر رہا تھا۔ اس نے سانپ کا کی شکل اختیار کی اور نالی کے راستے سے تالاب میں داخل ہو گیا۔
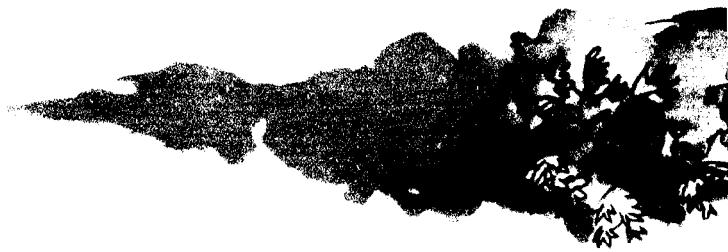
اندر جا کر وہ پھر انسانی شکل میں آ گیا۔ اس نے اپنے کپڑے اتارے اور تالاب میں تیرنے لگا۔ راجکماری ہیمل باغ میں تھی۔ اُسے تالاب میں کسی کے تیرنے کی آواز سنائی دی۔ وہ یہ دیکھنے کے لیے کہ کون ہے وہاں گئی۔ وہاں پر اس نے ایک بے حد خوبصورت نوجوان کو تیرتے ہوئے دیکھا۔ وہ اُسی لمحہ اُس کے عشق میں گرفتار ہو گئی۔

ناگ رائے نے بھی راجکماری کو دیکھا۔ وہ فوراً پانی سے باہر نکلا اور اپنے کپڑے پہن کر بھاگا۔ دیوار کے پاس پہنچ کر اس نے پھر سانپ کی شکل اختیار کی اور نالی کے راستے باہر نکل آیا۔

راجکماری اس خوبصورت نوجوان سے ملنا اور بات کرنا چاہتی تھی۔ اُسے پورا یقین تھا کہ نوجوان کسی طرح بھی باغ سے باہر نہیں جا سکتا۔ اُسے واپس آنا ہی ہو گا۔ وہ اس کے لوٹنے کا انتظار کرتی رہی مگر وہ نہیں آیا۔

تب اس نے اپنے نوکروں کو تلاش کرنے کے لیے بھیجا، لیکن جلد ہی وہ ناکام لوٹ آئے۔ اب راجکماری نے کچھ سپاہیوں کو اس نوجوان کا حلیہ بتا کر باغ سے باہر تلاش کرنے کا حکم دیا۔

سپاہیوں نے لوٹ کر بتایا کہ اس حلیہ کے مطابق ایک نوجوان ملا ضرور ہے مگر وہ ایک غریب برہمن کا بیٹا ہے۔ اب راجکماری کو یہ جاننے کی بے چینی ہوئی کہ کیا یہ وہی نوجوان ہے، جس کو اس نے باغ میں دیکھا تھا۔
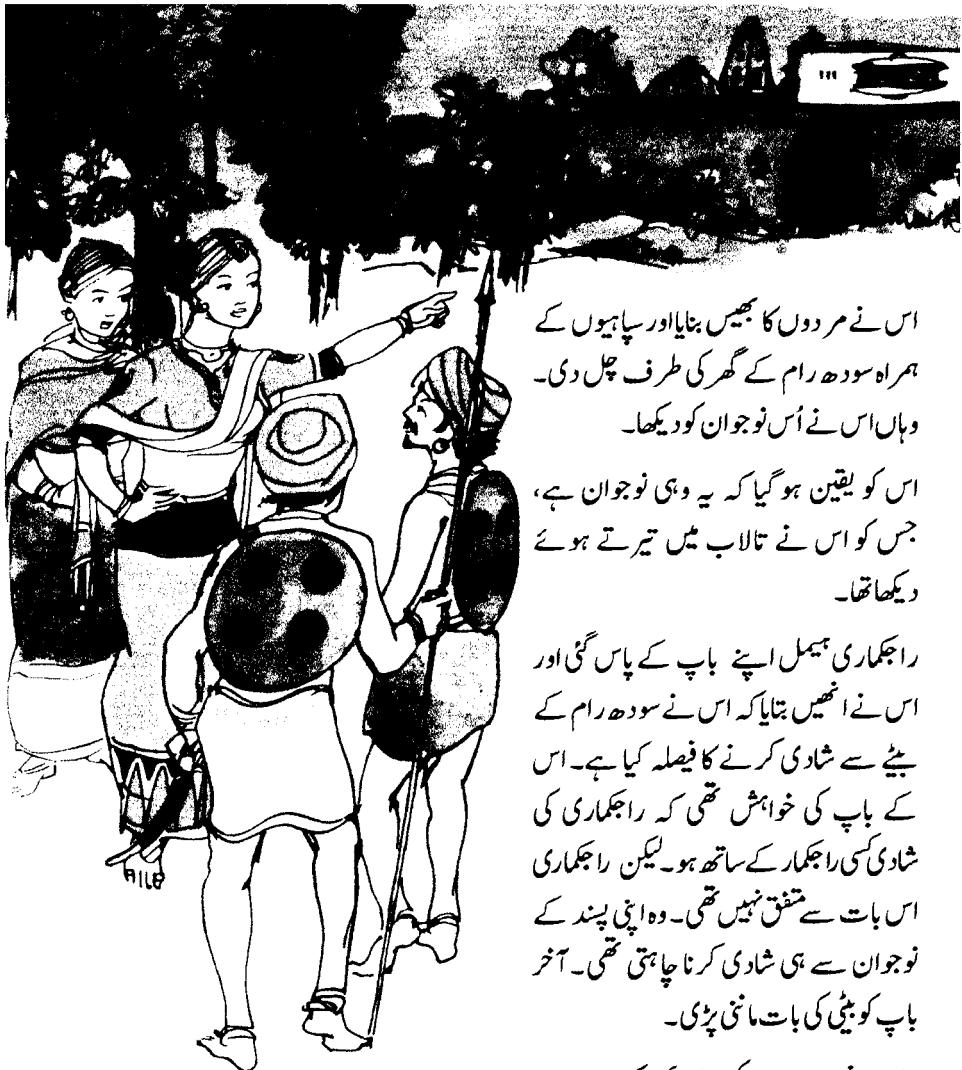
اس نے مردوں کا بھیس بنایا اور سپاہیوں کے ہمراہ سودھ رام کے گھر کی طرف چل دی۔ وہاں اس نے اُس نوجوان کو دیکھا۔

اس کو یقین ہو گیا کہ یہ وہی نوجوان ہے، جس کو اس نے تالاب میں تیرتے ہوئے دیکھا تھا۔

راجکماری ہیمل اپنے باپ کے پاس گئی اور اس نے انھیں بتایا کہ اس نے سودھ رام کے بیٹے سے شادی کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کے باپ کی خواہش تھی کہ راجکماری کی شادی کسی راجکمار کے ساتھ ہو۔ لیکن راجکماری اس بات سے متفق نہیں تھی۔ وہ اپنی پسند کے نوجوان سے ہی شادی کرنا چاہتی تھی۔ آخر باپ کو بیٹی کی بات ماننی پڑی۔

راجہ نے سودھ رام کو پیغام بھیجا کہ دوسرے دن راجکماری ہیمل کی شادی ناگ رائے

کے ساتھ محل میں ہو گی۔ سودھ رام اور اس کی بیوی بہت خوش تھے، لیکن ایک فکر کھائے جارہی تھی، ان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ برات اور بہو کے لیے قیمتی تحفوں اور سامان کا انتظام کیسے کریں گے۔

''پتا جی! آپ فکر مت کیجیے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' ناگ رائے بولا۔

''یہ انگوٹھی لیجیے اور جاکر اسی ندی میں ڈال دیجیے، جہاں آپ نے مجھے پہلی بار دیکھا تھا۔ ندی سے ایک سپاہی باہر آئے گا اور آپ سے پوچھے گا کہ آپ کو کیا چاہیے۔ آپ اس سے کہیے کہ ان تمام چیزوں کا انتظام کرے جو ایک راجکمار کی راجکماری سے شادی کے موقعے پر ہوتا ہے۔ پھر آپ آجایئے گا۔''

سودھ رام انگوٹھی لے کر ناگ رائے کے کہنے کے مطابق ندی پر گیا اور اُسے پانی میں ڈال دیا۔ فوراً ہی ایک سپاہی باہر آیا اور اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

''آپ کی کیا خواہش ہے؟'' اس نے سودھ رام سے پوچھا۔

''میرے بیٹے کی شادی کل راجکماری ہیمل سے ہو رہی ہے''۔ سودھ رام نے جواب دیا۔ ''ایسی بارات اور تحفوں کا انتظام کرو جو ایک راجکمار کی شان کے مطابق ہوں۔''

پھر سودھ رام گھر لوٹ آیا۔

کچھ دیر بعد ہی وہاں ایک بارات، سپاہیوں، درباریوں اور باجے گاجے کے ساتھ آ پہنچی۔ اس کے ساتھ بہت سارے نوکر بھی تھے، جو بڑے بڑے صندوق اٹھائے ہوئے تھے۔ ان میں قیمتی خوبصورت کپڑے اور زیورات تھے۔ سب سے پیچھے راجکمار کے دولہا بن کر چڑھنے کے لیے ایک سفید رنگ کا خوبصورت گھوڑا تھا۔

سودھ رام اس کی بیوی اور ناگ رائے نے ایک صندوق میں سے کپڑے اور زیورات نکال کر پہن لیے اور برات کے لیے تیار ہو گئے۔ بارات چل پڑی۔

بہت لمبا اور شاندار جلوس تھا۔ ناگ رائے ایک مکمل راجکمار لگ رہا تھا۔ جب راجہ نے یہ بارات دیکھی تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ راجہ نے دولہا دلہن کو رہنے کے لیے ایک شاندار محل دیا۔ سودھ رام اور اس کی بیوی گھر لوٹ آئے۔

باجے والے، سپاہی اور نوکر ناگ لوک کو لوٹ گئے، جہاں سے وہ آئے تھے۔ انھوں نے لوٹ کر ناگ راج کو راجکمار کے بارے میں بتایا۔ ناگ راج یہ سن کر ذرا بھی خوش نہ ہوئے کہ ناگ راجکمار نے ایک انسان راجکماری سے شادی کی ہے اور انسانوں کی طرح رہنے لگا ہے۔

کچھ ناگ لڑکیاں تو راجکماری ہیمل سے جلنے لگیں۔ وہ کسی بھی قیمت پر راجکمار کو ناگ لوک میں واپس لانا چاہتی تھیں۔ لیکن کسی کی سمجھ میں یہ نہیں آرہا تھا کہ ایسا کیسے ممکن ہو؟

''اگر کسی طرح راجکمار ایک بار جنگل والی ندی میں آجائے۔''

ایک ناگ بولا۔ ''تو ہم اسے کھینچ کر گھر واپس لے آئیں گے۔''

ایک بزرگ ناگ بولا کہ وہ ایسا کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس نے ایک غیر ملکی سوداگر کا حلیہ بنایا اور کچھ قیمتی گہنے بیچنے کے لیے ہیمل کے پاس جا پہنچا۔

سوداگر نے ہیمل کو بہت ہی خوبصورت جڑاؤ کڑا دکھایا۔ ہیمل کو یہ کڑا بہت پسند آیا۔

''یہ کڑا بہت خوبصورت ہے۔'' وہ بولی ''اس جوڑے کو میں خریدوں گی۔

"جوڑا؟ مجھے افسوس ہے کہ میرے پاس یہ صرف ایک ہی ہے۔ جوڑا میرے پاس تھا تو سہی، لیکن راستے میں کھو گیا۔ جنگل میں ندی کے کنارے میں پانی پینے کے لیے رکا تھا۔ ایک کڑا پانی میں گر گیا۔ بہت ڈھونڈا۔ لیکن سب کوشش بے کار رہی کیوں کہ مجھے بہت اچھی طرح تیرنا نہیں آتا۔"

"وہ ندی کہاں ہے؟" ہیمل نے پوچھا "میرے شوہر بڑے اچھے تیراک ہیں۔ وہ میرے لیے ضرور تلاش کر کے لادیں گے۔"

لیکن، اگر تم نے اپنے شوہر سے صرف یہ کہا کہ ندی میں کڑا گرا ہے تو وہ شاید تمھارا یقین ہی نہ کریں۔" سوداگر ہیمل سے بولا۔

"تم اپنے شوہر کو ندی پر لے جانا اس میں اپنا کڑا اس طرح گرادینا جیسے وہ اتفاقاً گر گیا ہے۔ پھر وہ اس کڑے کو تلاش کرنے کے لیے ندی میں ضرور اتریں گے۔ جب وہ کڑا لے کر آئیں تو تم کہنا کہ یہ وہ کڑا نہیں ہے جو تم سے گرا تھا۔ تب وہ تلاش کرے گا اور اس طرح سے وہ دوسرا کڑا بھی نکال لائے گا۔"

ہیمل کو یہ منصوبہ پسند آیا۔ صرف اسی طرح سے دونوں کڑے مل سکتے ہیں۔ اس نے سوداگر سے ندی کے بارے میں پوچھا۔ سوداگر نے اسے وہاں پہنچنے کا

راستہ بتادیا۔ اس نے ہیمل کو وہ کڑا بھی دے دیا اور بولا کہ بعد میں دونوں کڑوں کی قیمت لے لیگا۔

اس کے دوسرے دن ہی ہیمل اور اس کا شوہر جنگل میں گئے اور ہیمل اسے ندی پر لے گئی وہاں پر جیسے ہی وہ پانی پینے لگی اس نے اپنا کڑا ندی میں گرادیا۔

''ارے، ہائے، میرا کڑا گر گیا۔'' وہ چلّائی مہربانی کر کے میرا کڑا نکال دیجیے۔'' ناگ رائے ندی میں گھسنا نہیں چاہتا تھا۔ اُسے ڈر تھا کہ اگر وہ ندی میں گیا تو ناگ اُسے گھسیٹ کر ناگ لوک میں لے جائیں گے۔

''ارے چھوڑو بھی اس کڑے کو۔'' وہ بولا۔ ''میں اس سے زیادہ خوبصورت کڑا تمھیں خرید دوں گا۔''

''اس سے اچھا اور کڑا ہو ہی نہیں سکتا۔'' ہیمل نے جواب دیا۔

''یہ دنیا میں سب سے خوبصورت کڑا تھا۔ تم مجھے اس کو تلاش کر دو۔''

''تم مجھے ندی میں جانے کے لیے زیادہ زور مت دو۔'' ناگ رائے نے سمجھایا۔ ''اس کڑے کے بارے میں بھول جانا ہی تمھارے لیے اچھا ہوگا۔''

''اسے بھول جاؤں۔'' ہیمل بولی، ''میں اس خوبصورت

کڑے کو کیسے بھول سکتی ہوں۔ اس جگہ سے میں اس وقت تک نہیں ہٹوں گی جب تک میرا کڑا واپس نہیں مل جاتا۔ اگر تم میری مدد نہیں کروگے تو میں خود اسے تلاش کروں گی۔"

ناگ رائے نے اس کی بہت خوشامد کی کہ وہ اسے ندی میں گھسنے کے لیے مجبور نہ کرے۔ لیکن ہیمل نے ایک نہ سنی۔ آخر کار جب اور کوئی چارہ نہیں رہا تو ناگ رائے نے پانی میں ڈبکی لگائی۔ ناگ لڑکیاں تو اس موقع کے انتظار میں ہی تھیں۔ جیسے ہی ناگ رائے پانی کے اندر گھسا انھوں اسے پکڑ لیا اور گھسیٹ کر ناگ لوک لے گئیں۔

بہت دیر تک ہیمل ناگ رائے کا پانی سے نکلنے کا انتظار کرتی رہی، لیکن ناگ رائے کا کہیں پتا نہیں تھا۔ یہاں تک کہ پانی کی لہریں بھی معدوم ہو گئیں لیکن ناگ رائے کہیں نہیں دکھائی دیا۔ اب وہ ڈر گئی کہ کہیں اس کا شوہر ڈوب تو نہیں گیا۔ اس نے نوکروں کو آواز لگائی کہ آکر اسے بچائیں۔

نوکر دوڑ کر آئے اور کئی پانی میں کود کر ناگ کو ڈھونڈنے لگے۔ لیکن ناگ رائے تو کیا اس کا جسم تک نہیں ملا۔

جب ہیمل کو پتا چلا کہ اس نے اپنے شوہر کو کھو دیا ہے تو وہ بہت روئی۔ ناگ رائے کی جدائی ناقابلِ برداشت تھی۔

ہیمل گھر لوٹ کر اپنے محل میں جانا نہیں چاہتی تھی۔ وہ جنگل میں ہی ایک کٹیا بنا کر رہنے لگی۔ اس نے اپنے قیمتی کپڑے اور زیورات اتار دیئے اور ایک بیوہ کی سادہ زندگی گزارنے لگی۔ اِدھر سے گزرنے والوں کی وہ خاطر مدارات کرتی اور باقی وقت خدا کی عبادت میں گزار دیتی۔

ایک شام ایک بوڑھا آدمی اس کی کٹیا پر آیا۔ ہیمل نے اسے کھانا کھلایا اور رات گزارنے کو جگہ بھی دی۔ وقت گزارنے کے لیے ہیمل نے اس بوڑھے آدمی سے کوئی کہانی سنانے کے لیے کہا۔

''ضرور۔ مہربان خاتون!'' اس بوڑھے آدمی نے کہا۔

''میں تمھیں ایک سچی کہانی سناؤں گا۔ جو کچھ ہوا وہ میں نے اپنی آنکھوں سے کل رات دیکھا تھا۔''

''بتاؤ کیا ہوا؟'' ہیمل بولی۔

"اچھا۔ سنو۔"

بوڑھے نے کہنا شروع کیا۔ "پچھلی رات کو میں نے ندی کے کنارے ایک پیڑ کے نیچے رات گزاری، لیکن میں ذرا بھی نہ سو سکا۔ آدھی رات کے وقت میں نے ندی میں سے ایک جلوس کو نکلتے دیکھا۔ جلوس میں ایک راجہ، رانی، ایک راجکمار اور کئی راجکماریاں تھیں اور ان کے نوکر چاکر تھے۔ وہ یہاں سیر و تفریح کے واسطے آئے تھے۔ پہلے خوب گانا اور بجانا ہوا۔ اور پھر ایک شاندار دعوت۔ وہاں موجود تمام لوگ خوش تھے مگر راجکمار اداس تھا۔"

کھانے کے بعد سب وہاں سے جانے لگے۔ راجکمار سب سے بعد میں گیا۔ کچھ نوکر اس کے لوٹنے کا انتظار کرتے رہے۔ وہ ان کی طرف مڑ کر بولا۔ تم جاؤ۔ مجھے اکیلا چھوڑ دو۔ میں بعد میں آؤں گا۔"

"نہیں! راجکمار!" انھوں نے جواب دیا "رانی جی نے ہمیں آپ کا انتظار کرنے کو کہا ہے۔"

راجکمار اٹھا اور دھیرے دھیرے ندی کی طرف چلنے لگا۔

لیکن، اس نے ایک دو مرتبہ پیچھے مڑ کر دیکھا۔ "بے وقوف ہیمل تم نے مجھے ندی میں کودنے کے لیے کیوں زور دیا؟"

بھکاری نہیں جانتا تھا کہ وہ ہیمل سے ہی اس کی کہانی کہہ رہا ہے۔ ہیمل نے اس کو کہانی کے لیے شکریہ ادا کیا۔ وہ بڑے اشتیاق سے یہ دیکھنے کے لیے رات کا انتظار کرنے لگی کہ کہانی میں کہاں تک صداقت ہے۔ رات ہوتے ہی ہیمل ندی کے قریب ایک جھاڑی میں

چھپ کر بیٹھ گئی۔ وہ انتظار کرنے لگی۔تھوڑی دیر بعد ایک جلوس آیا۔ ہیمل نے دیکھا کہ جلوس بالکل ویسا ہی ہے جیسا کہ بوڑھے نے بتایا تھا۔

جب سب کے چلے جانے کے بعد وہاں ناگ رائے اور اس کے نوکر رہ گئے تو ہیمل جا کر ناگ رائے کے پیروں پر گر گئی۔

''یہ رہی آپ کی بے وقوف ہیمل'' وہ بولی: ''میرے مالک! میری غلطی معاف کر دیجیے۔''

اچانک ہیمل کو اپنے قریب دیکھ کر ناگ رائے حیرت اور خوشی کے ملے جلے جذبات میں ڈوب گیا۔ اس نے اُسے اپنے سینے سے لگالیا۔

''تمھیں پتا نہیں تھا۔'' وہ بولا ''کہ میں سانپوں کا راجکمار ہوں۔ میں دنیا میں انسانوں میں رہنا چاہتا تھا لیکن میرے دوست اور رشتے دار مجھے دوبارہ ناگ لوک میں لانا چاہتے تھے۔ انھوں نے ہی تمھارے ساتھ وہ چال چلی، جس سے تم مجھے ندی میں کودنے پر مجبور کردیا۔ پھر وہ مجھے ناگ لوک میں گھسیٹ کر لے گئے۔ ہیمل تم نہیں سمجھ سکتیں کہ تمھارے بغیر مجھے کتنا برا الگ رہا تھا۔''

''تم ناگ راجکمار ہو؟'' وہ تعجب سے بولی ''تب کوئی حیرت نہیں کہ تم اتنے عظیم ہو۔ اب پھر مجھے اکیلے مت چھوڑنا۔ مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔ تمھارے ساتھ میں کہیں بھی جانے کو تیار ہوں۔''

''تم ناگ لوک میں نہیں رہ سکتیں۔'' ناگ راج بولا۔

وہاں کوئی انسان نہیں ہے۔ ہم سب سانپ ہیں۔ ہم انسان کی شکل اپنی مرضی سے اختیار کرتے ہیں؟"

"تب تم میرے پاس سے مت جاؤ۔" ہیمل رو کر بولی۔

"مجھے تو واپس جانا ہی ہے۔" راجکمار نے کہا "یہ نوکر مجھے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے انتظار کر رہے ہیں۔"

"تب مجھے بھی ساتھ لے چلو۔" ہیمل نے پھر کہا۔ راجکمار نے تھوڑی دیر تک اس کی بات پر غور کیا۔

"اچھا۔" وہ بولا۔ "میرے ساتھ آؤ۔ میں اپنے والدین سے اجازت لوں گا کہ باہر کی دُنیا میں آ کر ناگ رائے کے روپ میں رہ سکوں۔ اُمید ہے وہ مجھے آنے دیں گے۔ ناگ رائے ہیمل کو بھی ناگ لوک میں لے گیا۔ اُسے دیکھنے کے لیے سانپ چاروں طرف اکٹھے ہو گئے۔

"یہ ہیمل ہے۔" ناگ رائے نے تعارف کرایا۔ "میں نے اس سے شادی کی تھی۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ سب لوگ وعدہ کریں کہ اسے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچائیں گے۔"

''سانپوں کے ساتھ انسان کیسے رہ سکتا ہے۔''ایک ناگ راجکماری نے پوچھا۔

''وہ یہاں نہیں رہے گی۔''ناگ رائے نے جواب دیا''وہ واپس جائے گی اور اس کے ساتھ میں رہوں گا۔میں تو صرف اپنے والدین سے اجازت لینے آیا ہوں۔''

ہیمل کو ناگ لڑکیوں کے پاس چھوڑ کر راجکمار اپنے ماں باپ سے ملنے گیا۔لوٹنے پر اس نے دیکھا کہ ہیمل کو زہر دے دیا گیا ہے۔ تھوڑی دیر میں ہی وہ مر گئی۔

ناگ رائے بہت غم گین ہوا۔وہ ہمیل کو ندی کے کنارے لے گیا۔اس نے وہاں اُسے جھاڑیوں میں لٹا دیا اور پھولوں سے ڈھک دیا۔وہ اُسے ہر روز تازہ پھولوں سے ڈھک دیتا۔

ایک جوگی ایک دن اس راستے سے گزر رہا تھا۔اس نے خوبصورت ہیمل کے مردہ جسم کو پھولوں سے ڈھکا دیکھا۔اتنی کم عمر لڑکی کو مردہ دیکھ کر اُسے بہت رنج ہوا۔ جسم کو اچھی طرح سے دیکھنے پر اسے پتا چلا کہ اُسے زہر دیا گیا ہے۔جوگی کے پاس ایک ایسی قوت تھی جس کے ذریعہ وہ زہر کے اثر کو زائل کر سکتا تھا۔اس نے منتر سے زہر کا اثر دور کر کے ہیمل کو دوبارہ زندہ کر دیا۔

ہیمل اٹھ بیٹھی۔اس نے یوگی کو بتایا کہ وہ کون ہے اور اس کی یہ حالت کیسے ہوئی؟

''مجھے یقین ہے۔''جوگی بولا۔''تمھارا شوہر ہی یہاں ہر روز آتا ہے اور تازہ پھولوں سے ڈھک جاتا ہے۔وہ آج بھی ضرور آئے گا۔ تم اس کا انتظار کرنا چاہتی ہو یا میرے ساتھ اپنے ماں باپ کے پاس چلو گی؟''

آپ کی بڑی مہربانی ہو گی اگر آپ مجھے ناگ رائے کا انتظار کرنے دیں۔''

ہیمل نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے۔چلو ہم چھپ جائیں اور دیکھیں کہ تمھارا جسم وہاں نہ پا کر وہ کیا کرتا ہے۔''

یوگی بولا۔

وہ دونوں ایک جھاڑی کی اوٹ میں چھپ کر ناگ رائے کا انتظار کرنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد وہ تازہ پھول لیے وہاں آیا۔ جب اس نے دیکھا کہ ہیمل کا مردہ جسم وہاں سے غائب

ہو گیا ہے۔ تو زمین پر گر کر رونے لگا۔

ہیمل نے دوڑ کر اُسے اپنی بانہوں میں لے لیا۔

"میرے مالک! اٹھو۔" وہ چلائی "تمھاری ہیمل یہاں ہے۔ ایک سچے مہاتما نے مجھے دوبارہ

زندہ کر دیا ہے۔ وہ ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔

ناگ رائے نے ہیمل کو گلے لگایا اور دونوں یوگی کے پاس آشیرواد لینے کے لیے گئے۔ وہ یوگی کے قدموں میں گر پڑے اور یوگی نے انھیں آشیرواد دیا۔

ناگ رائے اور ہیمل واپس ہیمل کے ماں باپ کے پاس آگئے۔ راجہ نے خوشی خوشی ان کا استقبال کیا۔ ناگ رائے پھر دوبارہ ناگ لوک نہیں گیا۔

وہ اور ہیمل بہت عرصہ تک عیش و عشرت سے رہتے رہے۔